اگست ۱۹۸۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- مثیل عیسیٰؑ، علی مرتضیٰؓ

چوتھے خلیفۂ راشد کی سیرت پر ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

- فقہ حنفی یا شریعت بل!

امیر جمعیت مولانا سید حامد میاں کا نقطۂ نظر

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ

ترجمہ: اللہ تک نہ تو اُن کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اُن کے خون، البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ سورۃ الحج آیۃ ۳۷

عطیہ اشتہار:

تاج آرکیڈ

بالمقابل سروسز ہسپتال، جیل روڈ، لاہور

چند یونٹ برائے دفاتر، کلینک گارمنٹ فیکٹری وغیرہ مالکانہ حقوق پر یا کرایہ پر دستیاب ہیں۔

سائٹ آفس تاج آرکیڈ بالمقابل سروسز ہسپتال

۳۷ جیل روڈ۔ لاہور — فون: ۴۱۲۲۳۰

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد ۳۶
شمارہ ۹
ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ
اگست ۱۹۸۷ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مینجنگ ایڈیٹر
اقتدار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
حافظ عاکف سعید
مقبول الرحیم مفتی

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال یا [illegible] روپے پاکستانی

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر۔	[illegible] امریکی ڈالر یا [illegible] روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔	۹ امریکی ڈالر یا ۱۵۰
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۱۲ امریکی ڈالر یا ۲۰۰

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور، یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ ۱۴ (پاکستان)، لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۶

طابع: چوہدری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس شاہراہ فاطمہ جناح، لاہور

مشمولات

☆ عرضِ احوال ——————— ۳
——————— اقتدار احمد
☆ الہدیٰ (نشست ۱۲) ——————— ۱۱
عائلی زندگی کے بنیادی اصول (سورۂ تحریم کی روشنی میں)
——————— ڈاکٹر اسرار احمد
☆ مثیلِ عیسیٰؑ، حضرت علیؓ ——————— ۲۱
چوتھے خلیفۂ راشد کی سیرت پر اہم خطاب
——————— ڈاکٹر اسرار احمد
☆ قرآن و سنت کی روشنی میں انقلابی تربیت و تزکیہ ——————— ۴۹
بسلسلہ موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا طریقِ کار
——————— ڈاکٹر اسرار احمد
☆ شریعت بِل یا فقہ حنفی ——————— ۶۷
(نفاذِ شریعت کے موضوع پر ایک اہم مقالہ)
——————— مولانا سیّد حامد میاں
☆ رفتارِ کار ——————— ۷۷
(متحدہ عرب امارات میں دس دن)
——————— ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتدار احمد

عرض احوال

اس شمارے کو پیش کرتے ہوئے اطمینان سا محسوس ہوتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے معمولات نے "میثاق" کی اشاعت میں جو بے قاعدگی پیدا کر دی تھی وہ اب ختم ہو گئی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک ۔

ہمارے آس پاس حالات جس طرح روز بروز بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں اس پر جتنی بھی تشویش ظاہر کی جائے کم ہے۔ یوں کہا جائے تو ہر گز مبالغہ نہ ہو گا کہ ہم بتیس دانتوں میں زباں کی طرح گھر گئے ہیں۔ صورت حال کی اس سنگینی میں عالمی سطح کے ان عوامل کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں جن پر ہمارا کوئی اختیار نہ تھا۔ تاہم خود کردہ غلطیوں کی فہرست بھی بہت طویل ہے اور سرفہرست وہ بد عہدی ہے جو ہم نے اپنے اللہ سے کی اور پوری ڈھٹائی سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس موضوع پر مزید کچھ کہنا اس وقت غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہماری سوچ پوری شرح و بسط کے ساتھ بارہا قارئین کے سامنے آ چکی ہے۔ ان سطور کے ذریعے تو ہم اہل وطن کے اس کرب میں شریک ہونا چاہ رہے ہیں جو کراچی میں حالیہ خوف اور حد درجہ مہلک دھماکوں سے ایک لہر کی طرح ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل گیا ہے۔ ان اندوہناک تخریبی کارروائیوں کی تفاصیل' اور انسدادی تدابیر پر اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ اگرچہ کہنے والی زبانیں تکان کا شکار نہیں ہوئیں' سننے والوں کے کان پک گئے ہیں..... لیکن ناانصافی ہو گی اگر جناب صدر مملکت کے ارشادات کو داد نہ دی جائے۔ وہ کوئی غیر متعلق شخصیت نہیں ہیں' عوامی' جمہوری' مسلم لیگی حکومت یقین دلاتی نہیں تھکتی کہ ملک کی عنان اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے اصرار کو تسلیم کیے ہی بنتی ہے کہ ؎

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
ہمیں یقین ہوا' ہم کو اعتبار آیا

لیکن اہل نظر دیکھ رہے ہیں کہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب اقتدار کی چلمن سے ایسے لگے بیٹھے ہیں

کہ !

ع صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

انہوں نے کراچی میں دھماکوں کے ایک آدھ دن بعد ہی وہیں یہ صراحت فرمائی کہ لوگ چار دھماکوں کو روتے ہیں، یہاں تو ابھی ایک سو چوّن (۱۵۴) دھماکے ہوں گے اور یہ کہ میرے پاس کوئی الہٰ دین کا چراغ نہیں ہے کہ ان تخریبی کارروائیوں کا تدارک کیا جا سکے...... لیجئے قصہ کوتاہ ہوا۔ ہم نے سوچا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد لیکن وہ تو خود الہٰ دین کے چراغ کی تلاش میں ہے۔ یہ الف لیلائی چراغ دس سال میں ان کے ہاتھ نہ آسکا تو اب کیا خاک آئے گا۔ گویا اب شہر شہر مرگ انبوہ کے جشن ہوں گے۔ موت کا ویسے بھی ایک دن معین ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ ستم گر میرے مرنے پہ ہی راضی تو ہوا۔

صدر مملکت کی تو حیثیت ہی اور ہے، حکومت کے کسی بھی ذمہ دار فرد کی طرف سے ایسی کیسی بات کا اس سیاق و سباق میں کہا جانا شقاوت قلبی کی انتہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "موتمر عالم اسلامی" سے "خادم اسلام" کا خطاب پانے کے بعد جنرل صاحب دھوئے گئے ہیں ایسے کہ بس پاک ہو گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کے احساس سے بھی ہاتھ دھو لئے ہیں۔ پاکستان کے شہری جو حکومتی محصولات کے ہل من مزید سے جاں بلب ہیں اور جن کی نسلیں بھی "کوچۂ سود خوراں" میں گروی رکھی جا چکی ہیں، اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کی سلامتی کی صرف دعائیں ہی مانگ سکتے ہیں کیونکہ یہاں تو اب ایسا کوئی ادارہ باقی نہیں رہا جس سے آس لگائی جا سکے ۔

کس طرف دیکھوں، کہاں جاؤں، کسے آواز دوں
اے ہجومِ نامرادی دل بہت گھبرائے ہے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حالات جس سمت سفر کر رہے ہیں وہ یقیناً فلاح و بہبود کی نہیں خزی فی الدنیا والآخرۃ کی ہے۔ اسلام سے ناطہ توڑ کر ہم اپنے منتشر اجزاء کو جوڑنے کا کوئی مصالحہ ایجاد نہ کر پائیں گے۔ ہم گذشتہ چالیس سال سے اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ یہ تو اس کا کرم، اس کی کسی خاص مصلحت کا ظہور اور اس کی تقویم کا حساب ہے کہ ہمیں اب تک بھی توبہ اور

رجوع الی اللہ کا موقع میسر ہے لیکن آثار کچھ ایسے ہی ہیں کہ شاید یہ ہماری قسمت میں نہیں۔ ہم اللہ کی اطاعتِ کلی کے "دارالسلام" میں داخل نہ ہوئے تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہاں ہسپانیہ کی تاریخ دہرائی جائے یا سمرقند و بخارا کی یا اس خطے کے نقشے میں ایک اور لبنان ابھر آئے۔ اخبارات ایسی سرخیوں سے بھرے رہتے ہیں کہ کراچی کو بیروت اور پاکستان کو لبنان بنایا جارہا ہے اور یہ سرخیاں ان بیانات سے لی جاتی ہیں جو سیاسی اور مذہبی جماعتوں (باستثناء حکومتی مسلم لیگ) کے زعماء سے منسوب ہوتے ہیں..... اندیشے کی یہ گرمی کراچی میں تو آگ لگا ہی چکی ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ اس کی تپش دوسرے علاقوں کو بھی لپیٹ میں لے لے گی۔ عوام الناس "بیروت بننے" کی اصطلاح کے مضمرات سے شاید پوری طرح آگاہ نہیں۔ وہ مہم جوئی کا کوئی بازیچہ اطفال نہیں' آتش و آہن کی بارش سے دلدل بن چکا ہے۔ کہ جو اتراد ھنستا چلا گیا۔ اس خاکسار نے دس سال پہلے بیروت پر صرف سال ڈیڑھ سال کی خانہ جنگی کے اثرات دیکھے تھے۔ شہر کے وہ "پوش" علاقے جنہیں آئنہ خانے کہا جاتا تو بجا تھا اور وہ کاروباری مراکز جہاں کروڑوں کا لین دین ہوتا اور کھوے سے کھوا چھلتا تھا' ایسے عبرت نگاہ کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے کہ ان سڑکوں پر سے گذرتے بھی ہول آتا' جنہیں اس علاقے سے گزرنے کے لئے عرب امن فوج نے صاف کر کے جگہ جگہ چوکیاں بنا کر محفوظ کر رکھا تھا۔ خاکسار چونکہ "آباد" بیروت کو بھی چند سال پہلے دیکھ چکا تھا لہٰذا خانہ ویرانی کا کچھ اندازہ کر سکا ورنہ وہاں تو عالم یہ تھا کہ عمارت کی عظمت پر کھنڈر کی گواہی بھی کافی نہ تھی۔ گذشتہ دس سالوں میں اس شہر اور ملک پر اور کیا کچھ نہ گزر گیا ہو گا۔ ہماری شامت اعمال ایسا روز بد نہ دکھائے کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ہم ایسے تن آسان ان سختیوں کو جھیلنے کی تاب نہیں رکھتے..... اللّٰھمّ انّا نعوذ بک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن..... آمین۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ہمارے قارئین کی اکثریت ڈاکٹر شیر بہادر پنّی صاحب مدظلہ سے غائبانہ تعارف رکھتی ہے۔ ان کے عنایت نامے جن میں "میثاق" کے مشمولات پر تائیدی' وضاحتی اور (کبھی کبھار) تنقیدی بھی' تبصرے ہوتے ہیں۔ بڑے احترام و اکرام سے شائع کئے جاتے رہے ہیں۔ وہ پاکستان میں رہنے والے ان معدودے چند بزرگوں میں سے ایک ہیں جو مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے آج بھی رشتۂ محبت و

عقیدت میں منسلک ہیں اور ان سے حسن ظن کی نسبت رکھنے پر نادم نہیں۔ آج کل ضعف پیری کے باعث ایبٹ آباد سے اپنی میڈیکل پریکٹس چھوڑ کر پشاور میں دختر نیک اختر کے پاس مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت' سلامتی اور طویل زندگی عطا فرمائے تاکہ ہم ان کے ذخیرۂ معلومات اور صائب مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں۔ اس ماہ یکے بعد دیگرے ان کے دو گرامی نامے موصول ہوئے۔ اس التفات خصوصی کی تقریب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تازہ تالیف کا وہ مقدمہ ہے جو پچھلے شمارے میں شائع ہوا۔ اور جس میں مولانا آزاد کے ذکر کی **مضراب نے اُن کی یادوں** کا تار چھیڑ دیا تھا۔ پہلے خط میں انہوں نے اس خاکسار کو مخاطب کر کے اس کے انداز تحریر کی ستائش کی تھی۔ اس کی رسید میں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان کی یہ نوازش شکریئے کے ساتھ حوصلہ افزائی کے حساب میں وصول کر لی گئی ہے البتہ دوسرا خط سطور ذیل میں من وعن شائع کیا جارہا ہے۔ اس پر اگر کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس خط کے مکتوب الیہ ہی کے ذمے ہوگی۔ جن سے ڈاکٹر نبی صاحب خاص قلبی لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کی کرم فرمائیوں میں سے اس عنایت کو برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب خصوصی وقعت دیتے ہیں کہ اپنی قیمتی اور نایاب کتب بشمول "البلاغ" اور "الہلال" کے فائلوں کا "مایہ خویش" انہوں نے ان کے سپرد کر دیا ہے۔

محترمی زاد عنایتہ

السلام علیکم

ماہ جولائی کا "میثاق" ملا جس کے مطالعہ سے دل بے حد خوشنود ہوا۔ کتاب۔ "جماعت شیخ الہندؒ سے تنظیم اسلامی تک"۔ کا مقدمہ پڑھا۔ جو آپ کی تحریرات کا شاہکار ہے' اور حرم کی خوشبو سے معطر۔

آپ نے میرے محبوب' عبقری صفات کی عظمت کی تصدیق فرمادی۔ وہ حقیقتاً برصغیر پاک و ہند میں بیسویں صدی کے داعی اول قرآن و جہاد تھے۔ ان کے اس مقام کو آپ نے مان کر' حق بہ حق دار رسید کا کام سرانجام دے دیا۔ جزاک اللہ۔

۱۹۲۱ء سے بعد ان کی آزادی وطن کی تحریک میں شمولیت' پس پائی یا بد دلی کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ ان کی مومنانہ فراست کی وجہ سے محاذ جنگ کی تبدیلی کے مترادف تھی' اور عین جنگ میں بھی محاذ کی تبدیلی کی اجازت تو قرآن نے بھی دی۔ اور اس تبدیلی کے لئے انہوں نے معاصر علماء سے گفتگو بھی کی۔ لیکن کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرا سوائے حضرت شیخ الہندؒ کے۔ اس کا ذکر مولانا نے ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۹۵ کے حاشیہ میں ان الفاظ میں

کیا...... "...... ۱۹۱۴ء کی بات ہے۔ کہ مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد پر توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی۔ لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد' سب کا متفقہ جواب تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے۔ "اِئذَنْ لِیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ"
یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسنؒ دیوبندی کی تھی جو اب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے'

گو وہ تحریک آزادی وطن کی جماعت...... کانگرس...... میں شامل ہو گئے۔ لیکن اپنے عزم و بنیادی مقصد' دعوت قرآن و جہاد' سے غافل نہیں ہوئے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ان کا مطمح نظر محض آزادی ہندوستان ہی نہ تھا' بلکہ ان کے پیش نظر اسلامی ممالک کی آزادی تھی۔ اور یہ معلوم رہے کہ ہندوستان کی آزادی کے فوراً بعد سب اسلامی ممالک آزاد ہو گئے۔

بات ہو رہی تھی ان کی دعوت قرآن کی۔ وہ کانگرس کی سیاسی تحریک کی گہما گہمی میں رہے مگر بنیادی مقصد سے ذرہ بھر بھی غافل نہیں رہے۔ جیل کے اندر یا باہر' ترجمہ و تفسیر قرآن میں مشغول رہے۔ حالانکہ سیاسی شور شوں میں علمی کام کرنے کے لئے مناسب جمعیت خاطر میسر نہیں آ سکتی۔ لیکن وہ اس کام میں برابر (۱۹۲۰ء سے بعد وہ مرحوم نہیں ہوئے) لگے رہے۔ جب انہوں نے ترجمان القرآن کی دوسری جلد ختم کر لی۔ تو اسی وقت کانگرس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس گہما گہمی میں انہوں نے اس جلد کی تقدیم لکھی۔ جو ان الفاظ پر ختم ہوئی۔

ابوالکلام

"موتی نگر۔ کانگرس کیمپ"

لکھنؤ ۱۴ر اپریل ۱۹۳۶ء

اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے۔ کہ انہوں نے اس کے بعد ترجمان القرآن جلد سوم اور تفسیر "البیان" اور مقدمہ تفسیر لکھا۔ جس پر ان کی زندگی کا اختتام ہوا۔ گویا انجام زندگی تک وہ اپنے مقصد زندگی...... دعوت قرآن و جہاد میں لگے رہے۔

آپ نے تحریر فرمایا۔ کہ آپ کو دعوت قرآن کے لئے لاہور کی فضاء مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے دو شاگردوں۔ مولانا عبدالحیؒ فاروقی اور مولانا احمد علی لاہوری مرحوم کی تیار کردہ ملی۔ واقعی یہ دونوں اصحاب اس سلسلے میں عزت و احترام کے مستحق ہیں۔ لیکن اس ضمن میں مولانا آزادؒ کے دو عزیز شاگردوں۔ پسران مولانا عبدالقادرؒ قصوری کا ذکر آپ نہیں کر سکے۔ مولانا عبدالقادرؒ قصوری کی علمی وجاہت اور سیاسی مرتبت تاریخ کے صفحات پر منضبط ہے اور جو تعلق مولانا آزاد کو اس خاندان سے تھا۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی مشہور تصنیف۔ تذکرہ۔ میں بھی کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں "ڈاک ملی اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ عزیزی مولوی محی الدین احمد۔ بی۔ اے۔ کو قصور"

میں تلاشی کے بعد گرفتار کیا گیا۔ شاید نظر بندی کا معاملہ پیش آئے۔ ان تمام ایام جلاوطنی میں..... (رانچی ۱۹۱۶ء) یہ پہلا دن ہے کہ اس واقعہ کے سننے سے دل کو مضطر اور دماغ کو پراگندہ پاتا ہوں۔ عزیزی موصوف بلکہ ان کا پورا خاندان اپنے خصائص ایمانی وجوش اسلامی وایثار للہ وفی اللہ کے اعتبار سے عہد سلف کے واقعات کو زندہ کرنے والا ہے اور علی الخصوص اس عزیز کے طلب صادق اور استعداد کامل سے تو اپنی چند در چند امیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس فتنہ حوادث نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ مجھے اس سے کب انکار تھا۔ کہ میرے پاؤں میں ایک کے بدلے دس زنجیریں ڈال دی جائیں۔ لیکن دوسروں کو اس میں کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ بظاہر عزیز موصوف کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ مجھ خانماں خراب سے رسم وراہ رکھتے ہیں۔ سبحان اللہ! اپنی آشناپروری اور دوست نوازی بھی قابل تماشا ہے۔ جب تک کوئی اپنا دشمن نہ بن جائے ہمارا دوست ہی نہیں ہو سکتا"

اسی خاندان (مولانا عبدالقادر" قصوری کے دو فرزندان) کے دو افراد' مولوی محمد علی مرحوم ایم۔ اے۔ کنٹب اور مولوی محی الدین احمد بی۔ اے۔ نے فضاء لاہور کو درس قرآن کی آواز سے معمور رکھا۔

مولوی محمد علی نے ۱۹۵۰ء میں باغ جناح میں ہر اتوار بعد نماز عصر درس قرآن شروع کیا۔ ان دنوں حسین و جمیل مسجد (مسجد دارالاسلام) کی جگہ ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ نیچے فرش نہ اوپر سایہ۔ نہ سردی' گرمی' دھوپ وبارش میں سر چھپانے کی کوئی جگہ تھی۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب کے عالمانہ انداز کی کشش تھی۔ کہ شہر کے ہر کونے سے فہمیدہ و سنجیدہ اصحاب' درس میں کھچے چلے آتے۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں مولانا قصوری اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کے بعد آپ کے برادر اکبر مولوی محی الدین احمد قصوری نے درس کی خدمات اپنے ذمے لے لیں اور چھوٹے بھائی کی طرح پوری پابندی اور باقاعدگی سے اس خدمت کو پورا کیا۔ لیکن صحت کی خرابی پھر اختلاج قلب کی شدید تکلیف نے کام معطل کر دیا۔ آپ کی وفات آخر ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔ (ماخوذ از سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر) لہٰذا لاہور کی فضاء میں ان دو بھائیوں کے انفاس درس قرآنی بھی شامل ہیں جہاں سے اب آپ خطبات جمعہ دے رہے ہیں۔

آپ نے اس مضمون میں مولانا آزاد" کی ایک تحریر کا ادھورا سا حوالہ دیا۔ جس سے قارئین پورا لطف نہیں اٹھا سکتے۔ چونکہ یہ گفتار محبوب ہے اس کی بلاغت و معنویت کے اظہار کے لئے اسے مکمل تحریر کئے دیتا ہوں۔ بحوالہ موج کوثر "ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک دوسرے سے کسی قدر متضاد اور مختلف ہوں۔ خود میں گلیم زہد اور قبائے رندی کو ایک ہی وقت اوڑھنے' پہننے کا مجرم ہوں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے۔ کہ ہم اپنے ایک دوست سے جو سلوک مے خانہ کی چھت پر کریں۔ اس کا مستحق اسے سجادہ وخانقاہ پر بھی سمجھیں"

اس درازسخنی کی معافی چاہتا ہوں۔ ؏

لذیذبود حکایت ' دراز تر گفتم

میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس مشن (جو میرے محبوب کا مشن تھا) دعوت قرآن اور تحریک جہاد میں کامیاب کرے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہِ ربّ العٰلمین

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہو گا..... دعا کا طلب

والسلام

شیر بہادر خاں پنی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس شمارے میں محترم مولانا حامد میاں کا وہ مقالہ شائع کیا جا رہا ہے جو ان کے صاجزادے نے حالیہ محاضرات قرآنی میں پڑھ کر سنایا تھا..... بعد میں مولانا نے ایک تحریر اور ارسال فرمائی جسے اس مقالے کا تکملہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ موخرالذکر تحریر میں محترم مولانا نے بعض نکات پر امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے موقف پر اعتراض بھی کیا ہے۔ ارادہ ہے کہ اس تحریر کو محترم ڈاکٹر صاحب کی وضاحت کے ساتھ ہی شائع کیا جائے جو اگر ممکن ہوا تو انشاء اللہ اگلے شمارے میں ہی شامل کر دی جائے گی.....۔

رشتہ درکار ہے

ابوظبی میں مقیم ۳۵ سالہ رفیقِ تنظیم (آرائیں برادری) کے عقدِ ثانی کے لیے دوشیزہ تعلیمی قابلیت بی اے کا رشتہ درکار ہے۔ پہلی بیوی حیات ہے جس سے ایک لڑکا عمر ½۹ سال ہے۔ گلشنِ راوی لاہور میں ذاتی مکان اور دیگر جائیداد۔ بیوی کو ابوظبی میں رہنا ہوگا۔ ذات پات کی قید نہیں اور نہ ہی جہیز کی کوئی ضرورت ہے۔ البتہ دینی مزاج کی حامل ہو۔

رابطہ: ماہنامہ "میثاق"۔ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہندؒ اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلامؒ "امام الہند" کیوں نہ بن سکے ۔؟
- 'حزب اللہ' اور 'دارالارشاد' قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقریٔ وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہوگیا!
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا 'اقامتِ دین' کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے!
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے؟
- علماء کرام اب بھی 'متحد' ہوجائیں تو

'اسلامی انقلاب' کی منزل دور نہیں!

٭ فرائض دینی کا جامع تصور ٭ رجم ٭ عورت کی دیت ، اور دیگر مسائل پر

ڈاکٹر اسرار احمد کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مورخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماء کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

• ضخامت ۴۵۶ صفحات (نیوز پرنٹ) • قیمت -/۴۰ روپے

'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' کے مستقل خریداروں کو یہ کتاب ۲۵ فیصد رعایت پر مبلغ -/۳۰ روپے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پیش کی جائے گی ۔ ڈاک خرچ ادارے کے ذمے ہوگا ۔

نوٹ : کتاب محدود تعداد میں شائع کی گئی ہے ۔ اپنی کاپی جلد حاصل کر لیجئے ۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے!

ملنے کا پتہ :

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

درس نمبر ۱۱

نشست نمبر ۴۴

مباحثِ عملِ صالح

الھدیٰ

عائلی زندگی کے بنیادی اصول

(سورۃ التحریم کی روشنی میں)

(۲)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا
نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَ اَعْرَضَ
عَنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ
الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ
قُلُوْبُکُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰىہُ وَ
جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ
ظَھِیْرٌ ○ عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا

خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ سورہ تحریم آیات...... ۳ تا ۵)

"اور جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اس بیوی نے (کسی اور پر) وہ راز ظاہر کر دیا' اور اللہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دے دی' تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگذر کیا۔ پھر جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے (افشائے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا۔ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا "مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے"۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لئے زیبا ہے' تمہارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایکا کرو گی تو اس کا حامی اللہ ہے اور جبریل اور تمام نیکو کار مسلمان اور مزید بر آں فرشتے بھی اس کے مدد گار ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ تمہیں طلاق دے چھوڑے تو اس کا پروردگار تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اس کو دے دے۔ اطاعت شعار' مومنہ' فرمانبردار' توبہ کرنے والیاں' عبادت گذار' ریاض کرنے والیاں' شوہر آشنا اور کنواریاں۔"

ان آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ کی تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں' کیونکہ یہ آیات اپنے مفہوم ومدعا کو خود واضح کر رہی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات اپنی ازواج مطہراتؓ میں سے کسی ایک سے کہی۔ اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرما دی کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتائی جائے۔ ان زوجہؓ محترمہ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوںؓ نے کسی دوسری زوجہؓ کے سامنے اس کا ذکر کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس افشائے راز کی خبر دے دی۔ اس

پر حضورؐ نے نہایت ملائمت شفقت اور نرمی سے ان زوجہؓ محترمہ کو اشارتاً بتادیا۔ کہ یہ بات آپؐ کے علم میں آگئی ہے..... عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ کے الفاظ میں آپؐ کے حسن معاشرت کی اعلیٰ مثال کا ذکر ہے کہ آپ نے پوری بات جتلانا اور پورا کا پورا الزام دینا پسند نہ فرمایا۔ آپؐ نے شکوہ وشکایت میں بھی التفات و ملائمت کے پہلو کو پیش نظر رکھا تاکہ ان زوجہؓ محترمہ کو انتباہ ہو جائے..... اس پر ان زوجہ محترمہ نے پلٹ کر سوال کیا کہ "آپؐ کو یہ کس نے بتایا۔ !" ہو سکتا ہے کہ انہیںؓ یہ گمان ہوا ہو کہ میں نے جن کو یہ بات بتائی تھی شاید انہوں نے حضورؐ کو بتادی۔ اس لئے اپنے شک اور سوئے ظن کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے حضورؐ سے یہ وضاحت چاہی کہ آپ کو کس نے بتایا!..... اس کے جواب میں حضورؐ کے جو الفاظ آئے ہیں 'ان میں تھوڑا سا اظہار ناراضگی کا پہلو بھی ہے کیونکہ یہ معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ یہ مجھے کس نے بتایا!..... اصل بات تو یہ ہے کہ ایک راز کی بات تھی 'اسے راز ہی رہنا چاہئے تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے جواب میں فرمایا..... مجھے تو اس خدا نے بتایا ہے جو " "العلیم " ہے 'اور "الخبیر" ہے اس واقعے کے اجمالی ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہو رہا ہے۔ ......

یہاں اس بات کو بھی جان لیجئے کہ عائلی زندگی میں مرد کا اپنی بیوی کے حق میں نرم ہونا' شفیق ہونا' شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و الفت' رحمت و شفقت اور مودت کا پایا جانا مطلوب ہے۔ لیکن اس میں اگر شوہر کی طرف سے نرمی زیادہ ہو جائے اور خاندان کے ادارہ کو مستحکم رکھنے کا بنیادی اصول یعنی " اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَى النِّسَآءِ " کا اہتمام و التزام پوری طرح باقی نہ رہے۔ تو خاندانی زندگی کے بنیادی ڈھانچے کو ضعف پہنچے گا۔ پھر جب معاملہ خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو تو اس کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کا ہر عمل امت کے لئے نمونہ ہے۔ سورہ حجرات میں بہت زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ "وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ "..... "خوب جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ موجود ہے" اس میں ایک بڑا لطیف نکتہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ہمارے تعلق کا ایک ہی پہلو ہے‘ کہ آپؐ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور ہم امتی ہیں‘ آپؐ ہمارے آقا ہیں‘ ہم آپؐ کے غلام ہیں‘ اور تو کوئی رشتہ اور نسبت نہیں ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا معاملہ بہت مختلف تھا۔ صحابہؓ میں سے کوئی حضورؐ کا چچا بھی ہے۔ اب چچا ہونے کے اعتبار سے وہ بڑا ہے‘ حضورؐ بھتیجے ہیں۔ بھتیجے کا رشتہ بہرحال چھوٹا ہے۔ اب اگر کہیں حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اپنی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کر لیتے جو بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو حضورؐ کی حیثیت رسالت مجروح ہو سکتی تھی۔ لہٰذا آگاہ کر دیا گیا‘ متنبہ کر دیا گیا کہ "وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰه "...... اچھی طرح جان رکھو کہ تمہارے مابین صرف محمدؐ نہیں ہیں بلکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ لہٰذا آپؐ کی اس حیثیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔ اسی بات کا اطلاق ازواج مطہراتؓ پر بھی ہو گا کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے ناز کا بھی اظہار ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کو بھی متنبہ کر دیا گیا کہ ٹھیک ہے اے عائشہؓ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے شوہر ہیں۔ اے حفصہؓ! ٹھیک ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے شوہر ہیں لیکن ہر دم یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ اللہ کے رسول بھی ہیں۔

یہ بہت نازک مقام ہے حضورؐ کے احترام اور ادب کو کسی درجہ میں بھی ضعف پہنچنے کا امکان ہو تو اس کے بارے میں ہمیشہ سخت ترین تنبیہ نظر آئے گی۔ جیسے سورہ حجرات میں ہے کہ "اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" "کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو......" اگر معاملے کی یہ خاص صورت پیش نظر نہ ہو تو پھر ازواج مطہراتؓ سے کچھ سوئے ظن کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ حقائق جو میں نے بیان کئے ہیں اگر مدنظر رہیں تو پھر کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہو گی۔

زیر بحث معاملہ دو ازواج مطہراتؓ کے درمیان پیش آیا۔ ایک نے نبیؐ کا بتایا ہوا راز دوسری پر ظاہر کر دیا۔ اب دونوں کے لئے اللہ کا حکم ہے کہ "اگر تم دونوں اللہ کی جناب میں

توبہ کرو' اظہار ندامت کرو اور اللہ سے استغفار کرو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْ بُکُمَا" تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔ یعنی دلوں میں تو یہ کیفیت ہے ہی' پشیمانی اور ندامت کے جذبات تو ہیں ہی" ...... لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی مان ہوتا ہے۔ وہی بات جسے میں نے ناز سے تعبیر کیا ہے۔ اس ناز کی وجہ سے ندامت اور پشیمانی کے الفاظ زبان پر نہیں آ رہے' طبیعت ہچکچا رہی ہے تو گویا ترغیب کا یہ نہایت بلیغ انداز ہے کہ فرمایا گیا "فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْ بُکُمَا" جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ ذرا ہمت کرو' اصل میدان تو تم سر کر ہی چکے ہو۔ کٹھن منزل تو تم نے طے کر لی ہے۔ اب تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے ہمت نہ ہارو۔ حوصلہ سے کام لے کر اس مرحلہ سے بھی گذر جاؤ......

اس مقام پر بعض مفسرین کو سخت مغالطہ ہوا ہے۔ انہوں نے "صَغَتْ" کا مفہوم کسی شے سے انحراف سمجھا ہے حالانکہ یہ لفظ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی یہاں "صَغَتْ" کا ترجمہ "جھک جانا" کیا ہے۔ آیت کا اسلوب بھی یہی بتا رہا ہے کہ "اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں' جھک ہی چکے ہیں..... ذرا سی یہ ہچکچاہٹ جو شوہر اور بیوی کے نفسیاتی تعلق کی وجہ سے حائل ہے اس جھجک کو دور کرو اور اپنی خطا کا اعتراف کرو۔ اللہ سے بھی اس کے لئے استغفار کرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی معذرت کرو کہ ہم سے خطا ہوئی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اگر بظاہر درشتی کا پہلو ہو' سختی کا اسلوب ہو تو دیکھنا یہ ہو گا کہ خطاب کن سے ہے! بسا اوقات شفقت اور محبت ہی ہوتی ہے کہ جس کے اظہار کے لئے بظاہر انداز سختی کا اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک شفیق والد اپنے بچے کی تربیت کے لئے بعض اوقات سختی اور درشتی کا انداز اختیار کرتا ہے لیکن کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ باپ کا دل اپنے بچے کی محبت سے خالی ہے۔ البتہ یہاں ایک بات یہ جان لیجئے کہ ع

"جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے"

جن کے مقامات بلند ہوتے ہیں' ان کی چھوٹی سی بات پر بھی جب گرفت ہوتی ہے تو بظاہر انداز ا

برداشت ہوتا ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "حَسَناتُ الابرارِ سَیِّئَاتُ المقرّبینَ" عام لوگوں کے لئے جو کام بڑی نیکی کا سمجھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ وہی کام اللہ تعالیٰ کے مقربین اولیاء اور محبوب بندوں کے لئے تقصیر قرار پائے۔ ان کے مرتبہ کے اعتبار سے قابل گرفت شمار ہو جائے۔ لہٰذا یہ معاملہ مراتب اور درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے یہی اسلوب ہم قرآن مجید کے بعض مقامات پر دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ خطاب میں بھی بظاہر کچھ سختی کا اظہار ہو رہا ہے۔ جیسے

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۭ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰیٓ ۙ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ۭ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۙ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ۝

"ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر
کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر
دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو۔ ؟ جو شخص بے پروائی برتتا
ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو"

بظاہر اس اسلوب میں کچھ سختی ہے۔ لیکن در حقیقت اس انداز میں محبت، شفقت اور عنایت پنہاں ہے۔ حضورؐ کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے گرفت کا انداز نظر آتا ہے۔ جبکہ بڑی معمولی بات ہے اور عام لوگوں کے لئے غلطی بھی نہیں ہے لیکن رسول اور نبی ہونے کے اعتبار سے اس پر بھی روک ٹوک ہو رہی ہے اور بظاہر انداز سخت نظر آرہا ہے...... اسی اصول کا ہم یہاں بھی اطلاق کریں گے کہ ازواج مطہراتؓ سے فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنا مقام اور مرتبہ پہچانو۔ تم امہات المومنین ہو...... پوری امت کی خواتین کے لئے قیامت تک تمہارا طرز عمل نمونے کا طرز عمل ہو گا۔ لہٰذا تمہارا طرز عمل بڑا اعلیٰ، معیاری اور آئیڈیل ہونا چاہئے۔ اس میں ذرا سی کمی کسی پہلو سے بھی ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ پہلو امت کی خواتین کے لئے بڑی بڑی لغزشوں کا سبب بن جائے اس لئے یہاں الفاظ میں بظاہر کچھ سختی ہے لیکن اس سے ازواج مطہراتؓ کے

بارے میں کوئی معمولی سا سوئے ظن بھی دل میں ہرگز پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

آیت مبارکہ کی طرف پھر رجوع کیجئے فرمایا "اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" "اگر تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو تو تمہارے دل اس کی طرف مائل ہو ہی چکے ہیں"...... "وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ" "اور اگر تم ہمارے نبی کے خلاف ایکا کرو گی...... تو جان رکھو کہ "فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ" "تو اللہ خود اپنے رسول کا رفیق ہے' پشت پناہ ہے ساتھ ہی جبریل ہیں (جو ملائکہ کے سردار ہیں)"...... "وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ" "اور تمام مومنین صالحین یعنی آپ کے اصحاب آپ کے پشت پناہ ہیں...... "وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○" "اور تمام ملائکہ بھی ہمارے نبیؐ کے ساتھی اور مددگار ہیں"۔ ...... یہاں اہل ایمان کا ذکر تو صالحیت کی صفت کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن ملائکہ کے لئے فرمایا کہ کل کے کل ملائکہ کیونکہ وہ تو سب کے سب ہی صالح ہیں۔ ان کے بارے میں تو کوئی دوسری رائے ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ "يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" "وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

آگے پھر وہی تہدید کا انداز چل رہا ہے جس میں ازواج مطہراتؓ کی سیرت و کردار کی ایک جھلک بھی سامنے آتی ہے کہ تمہارے اندر جو یہ اوصاف ہیں کہ تم اطاعت شعار ہو' ایماندار ہو' فرمانبردار ہو' توبہ کرنے والیاں ہو' زہد و قناعت اختیار کرنے والیاں ہو' ان پر تمہیں ناز نہیں ہونا چاہئے...... تم یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم جیسی یا تم سے بہتر خواتین اپنے نبیؐ کے لئے ازواج کے طور پر فراہم نہیں کر سکتا۔ اگر کہیں تمہیں بالفرض زعم ہو گیا ہے اپنے اسلام و ایمان پر' اپنے تقویٰ اور احسان پر' اپنی نیکیوں اور عبادات گذاریوں پر...... اگر اس کا کچھ بھی امکان ہے تو جان لو کہ اگر نبیؐ تم سب کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیں تو اللہ ان کو تم جیسی بلکہ تم سے بھی بہتر بیویاں عطا کر سکتا ہے...... یہ مفہوم ہے آیت کے ان الفاظ مبارکہ کا کہ "عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ" "اس آیت کا آخری حصہ ہے ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ○"۔ "ثیبات" ان خواتین کو کہا جائے گا جو جن کی ایک دفعہ شادی ہو چکی ہو۔ یعنی بیوہ یا مطلقہ

ہوں اور ابکار سے کنواری خواتین مراد ہیں۔ حضورؐ کے حبالہ عقد میں اکثر خواتین شوہر آشنا تھیں لہٰذا ان کا ذکر بھی یہاں کر دیا گیا چونکہ ایک خاتون کو جسے متاہل زندگی کا تجربہ پہلے ہو چکا ہو بعض پہلوؤں سے اس کی رفاقت شوہر کے لئے آسانی کا موجب بن جاتی ہے...... رہا ابکار یعنی کنواریوں کا معاملہ تو ہر شخص کے لئے کسی خاتون کا بیوی کی حیثیت سے یہ نہایت پسندیدہ وصف ہے ہی۔

ان تین آیات میں ایک خاص واقعہ کے حوالہ سے ازواج مطہراتؓ سے خطاب کیا گیا ہے جس سے یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے ازدواجی زندگی میں اگرچہ باہمی محبت و الفت' شفقت و مودت' ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا لحاظ حسن معاشرت اور نرمی کا سلوک مطلوب ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجہ میں بیویوں میں شوخی کا انداز حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ اور "اَلرِّجَالُ قَوَّا مُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" کا اصول مجروح ہو جائے جو ہماری خاندانی زندگی کی بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر خاندان کا ادارہ کمزور ہو جائے تو اس کے اثرات سارے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے اس اصول کو ایک واقعے کے حوالے سے ذہن نشین کروایا گیا ہے۔

عائلی زندگی کو صحیح بنیادوں پر استوار رکھنے اور "گھر" کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کے لئے ان آیات میں مسلمان عورتوں کو ایک اہم سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امانت دار اور محافظ بنیں۔ قرآن میں ان کی صفت "حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ" یعنی رازوں کی حفاظت کرنے والیاں بتائی گئی ہے بیوی فطری طور پر بھی گھر کے رازوں کی امین ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ ہی اس امانت کی حفاظت نہ کر سکے تو عائلی زندگی جن الجھنوں کا شکار ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ اب آپ کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو فرمایئے۔

سوال و جواب

سوال...... ڈاکٹر صاحب! اللہ تعالیٰ جس کا پشت پناہ اور مددگار ہو جائے اس کو مزید سہاروں کی کیا ضرورت ہے؟

جواب...... بہت عمدہ سوال ہے۔ اصل میں اس بات کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو پیش

نظر رکھئے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ذرائع اور وسائل کا محتاج نہیں ہے لیکن اس نے اس تخلیق کائنات کے لئے اپنی جو سنت اور اپنا جو قانون رکھا ہے وہ یہی ہے کہ بعض چیزوں کو بعض چیزوں کے لئے سبب اور ذریعہ بنا دیا ہے۔ جیسے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے لیکن اس کے لئے ذریعہ حفاظ کو بنایا۔ وہ اس کو یاد کرتے ہیں۔ قرآن ان کے سینوں میں محفوظ ہوتا ہے اس طرح یہ سلسلہ قرآن کی حفاظت کا ایک ذریعہ بن گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بغیر کسی ذریعہ کو استعمال کئے اپنے کسی بندے کی پشت پناہی از خود فرمائے۔ لیکن ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے مومن بندوں کو مدد اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچاتا ہے۔ غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول ہوا۔ اس ضمن میں بڑا عمدہ شعر ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اپنی نصرت پہنچانے کے لئے فرشتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے تو اس میں ہم کوئی کلام نہیں کر سکتے۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے وہ "القدیر" بھی ہے "اَحکمُ الحاکِمِین" بھی ہے اور "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ" بھی......پس حضرت جبریلؑ کی مدد، تمام ملائکہ کی مدد اور مومنین صالحین کی مدد یہ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و نصرت اور پشت پناہی کے ذرائع ہیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

ماہنامہ "میثاق" کے اندرونِ پاکستان کے تمام سالانہ خریدار حضرات کے خریداری نمبر تبدیل ہو گئے ہیں۔ براہِ کرم اپنا نیا خریداری نمبر میثاق کے لفافے سے نوٹ کر لیجئے ——

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

(الفرقان : ۷۴)

اے ہمارے رب
ہمیں ہماری اولاد اور بیویوں (کی طرف) سے
آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما
اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے

□ □ □ □

عطیہ اشتہار :

میاں عبدالواحد

بھگوان سٹریٹ، پرانی انار کلی لاہور

مثیلِ عیسیٰؑ ۔ حضرت علیؓ

خطاب جمعہ: ڈاکٹر اسرار احمد ○ ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ چوتھے خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ ' کی سیرت مبارکہ پر گفتگو کریں۔ تیرہ چودہ برس قبل لاہور کی ایک انجمن کے زیر اہتمام موصوف کو حضرات ابو بکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرتوں پر خطاب کرنے کا موقع ملا تو آپ نے منتظمین انجمن کو برملا کہہ دیا کہ اگر انہوں نے چوتھے خلیفہ راشد کا یوم منانے کا اہتمام نہ کیا تو آئندہ وہ ان کے جلسے میں نہیں آئیں گے۔ لیکن بعد ازاں وقتی انجمنوں کی طرح وہ انجمن بھی غیر فعال ہو گئی' اور غالباً آئندہ کسی جلسے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اسی طرح چار پانچ سال قبل ربیع الاول کے مہینے میں خالق دینا ہال کراچی میں سنی کونسل کے زیر اہتمام طے ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سیر صحابہؓ کے جلسوں کے سلسلے کی ایک شام میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب پر گفتگو کریں گے لیکن ڈاکٹر صاحب کی اچانک علالت کی وجہ سے یہ پروگرام بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

گیارہ جون کو انجمن فکر اسلامی جھنگ کے زیر اہتمام سیرت فاروق اعظمؓ پر ڈاکٹر صاحب کے خطاب نے ان کی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ جامع دار السلام باغ جناح میں ۱۲ ر اور ۱۹ ر جون کے دو خطبات جمعہ میں مقام صدّیقیّت اور مقام شہادت کا مفصل بیان ہوا۔ اور جمعہ ۲۶ ر جون کو اس سلسلے کے تیسرے خطاب جمعہ میں بات خلیفہ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیرت تک پہنچی۔ "میثاق" کے ادارہ تحریر کے بزرگ رکن جناب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے اپنی پیرانہ سالی کے باوجود شدید مشقت اور محنت سے ان تینوں خطابات اور دیگر تاریخی کتب کی مدد سے حضرتؓ علی کی سیرت کا ایک نہایت دلکش مرقع تیار کیا ہے۔ جس میں صدّیقیّت اور شہادت کی بحث کے ساتھ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کا سبب بننے والے "فتنہ کبریٰ" کے اسباب و علل بھی سمٹ آئے ہیں۔ محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی کاوشوں کا ثمر بالاقساط نذر قارئین کیا جارہا ہے...... (ادارہ)

خطبہ مسنونہ کے بعد

حضرات - - - ہم ہر روز ہر نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے ساتھ یہ دعا مانگتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ "(اے اللہ) ہمیں سیدھا راستہ

دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا'' سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن نے خود اس کا جواب دیا ہے۔ سورۂ نساء میں ارشادِ ربّ العٰلمین ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہدا اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ (سورہ نساء آیت۔ ۶۹)

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ سب سے بلند مقام انبیاء کرام کا ہے۔ اس میں کسی کی کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت جسے چاہا اس مقام پر سرفراز فرمادیا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے تین درجے متعین کئے گئے ہیں۔ جن کے نام قرآن نے صدّیقین' شُہداء اور صالحین بیان کئے ہیں۔ انسان اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں ترقی کرتے کرتے ان مقامات کو حاصل کر سکتا ہے۔

مقامِ صدّیقیت اور مرتبۂ شہادت

آج اگرچہ میری گفتگو کا اصل موضوع تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ ہے' لیکن ان کے مقام اور مرتبے کو سمجھنے کے لئے صدّیقیت اور شہادت کے مفہوم کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ازروئے قرآن انبیاء کے بعد انسانوں میں بلند ترین مراتب صدّیقین اور شُہداء کے ہیں اور ان میں بھی مقام صدّیقیت مرتبۂ شہادت سے بلند تر ہے۔ ان دونوں مراتب کے مابین جو فرق ہے اس کا تعلق درحقیقت ایک مزاجی فرق سے ہے۔ علم نفسیات کی اصطلاح میں مزاجی ساخت کے اعتبار سے انسانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ لوگ 'EXTROVERT' ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کی توجہ خارج کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ اردو میں اس کے لئے بروں بین کی اصطلاح وضع کی گئی ہے' اور کچھ لوگ 'INTROVERT' ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کی توجہ باطن کی طرف زیادہ ہوتی ہے انہیں ہم

دروں بین کہہ سکتے ہیں۔ کچھ انسانوں کے مزاجوں میں یہ فرق وتفاوت بہت نمایاں نظر آئے گا اور کہیں یہ فرق بہت معمولی نوعیت کا ہوتا ہے۔

مزاج اور افتادِ طبع کا فرق

پہلی بنیادی بات یہ جان لیجئے کہ انسانیت کا اعلیٰ جوہر دونوں مزاجوں کے افراد میں موجود ہوتا ہے لیکن مزاج اور افتادِ طبع کے اس فرق کی وجہ سے ان کی صلاحیتیں دو مختلف سمتوں میں ظہور کرتی ہیں۔ یہ دو رخ کیا ہیں ان کو سمجھئے۔ ذہین وفطین دونوں ہوں گے۔ لیکن ایک کی ذہانت وفطانت خارج کی طرف زیادہ متوجہ ہوگی اور دوسرے کی ذہانت وفطانت اپنے باطن کی طرف زیادہ متوجہ ہوگی۔ اس فرق کی وجہ سے ایسا محسوس ہوگا کہ ایک کو حقائق سے کوئی مناسبت نہیں' وہ خارج اور مظاہر کی دنیا ہی میں مگن ہے۔ جبکہ دوسرا باطنی حقائق پر توجہات کو مرتکز کئے بیٹھا ہے۔ دوسرا بنیادی فرق یہ ہوگا کہ حسّاس تو دونوں ہوں گے' لیکن ایک حسّاس ہوگا اپنی عزت نفس کے بارے میں کہ کوئی میری توہین تو نہیں کر گیا! کسی نے مجھے تحقیر کی نگاہ سے تو نہیں دیکھ لیا! کسی نے میری عزت نفس کو ٹھیس تو نہیں پہنچا دی جبکہ اسی حسّاسیت کا ظہور دوسرے میں اس طرح ہوگا کہ مجھ سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی! میں نے کسی کا دل تو نہیں دکھا دیا! کسی کو تکلیف میں دیکھ کر کر وہ تڑپ اٹھے گا۔ بقول امیر مینائی ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

دوسرے کو اپنے درد کا احساس تو خوب ہو رہا ہے' لیکن دوسروں کے درد کا احساس نہیں ہو رہا۔ اپنی ذات کی طرف اس کی توجہ زیادہ ہے گویا ع

"اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں میں"

اس کی نگاہ دوسروں کے احساسات کی بہ نسبت اپنی ذات کی طرف زیادہ ہے۔ حساس دونوں ہوں گے..... نتیجہ کیا نکلے گا کہ ایک کے مزاج میں خلق خدا کے لئے شفقت' رحمت' رافت ہوگی جبکہ دوسرے کے مزاج میں شدت سختی اور غصہ ہوگا۔ دوسری بات یہ جان لیجئے کہ ایک کے غور وفکر کا انداز حکیمانہ اور فلسفیانہ ہوگا اس کے قوائے ذہنی زیادہ چاق وچوبند ہوں گے۔ لہٰذا اس کی سوچ مرتب ہوگی اور کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچے گی۔ دوسرے کے قوائے عملیہ زیادہ چاق وچوبند ہوں گے' وہ متحرک وفعال انسان ہوگا۔ بھاگ دوڑ میں آگے نکلے گا۔

آخری بات یہ ہے کہ شجاعت دونوں میں ہوگی کیونکہ یہ بنیادی انسانی اوصاف میں سے ایک اعلیٰ وصف ہے اور میں عرض کر چکا ہوں کہ انسانی بنیادی جوہر دونوں میں مشترکہ طور پر ہوتے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو انسان نچلی سطح پر رہے گا۔ اوپر نہ اٹھ سکے گا...... یعنی صالحیت سے درجۂ شہادت اور صدّیقیّت کی طرف ترقی نہ کر سکے گا...... البتہ ایک کی شجاعت ظاہر و باہر ہوگی' نمایاں نظر آئے گی۔ ایک کی شجاعت چھپی رہے گی' کبھی وقت آگیا تو ظاہر ہو جائے گی۔

اِدھر کے سارے اوصاف جمع کر لیجئے اور اُدھر کے سارے اوصاف جمع کر لیجئے ایک مزاج صدّیقین کا ہے' ایک مزاج شہداء کا ہے۔ مختصر طور پر صحابہ کرامؓ میں سے ایک طرف رکھئے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو۔ یہ میں مردوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ یہ ہے کہ ایک تو وہؓ خاتون ہیں دوسرے یہ کہ ہم مسلمانوں کی یہ بڑی کوتاہی ہے کہ انؓ کی سیرت کے بارے میں بہت کم معلومات بیان کی جاتی ہیں۔ میرے نزدیک مردوں میں جس مقام پر حضرت ابو بکرؓ ہیں یعنی الصدّیق ہیں' اسی طرح خواتین میں سے حضرت خدیجہؓ کا مقام یہ ہے کہ وہ الصدّیقۃ الکبریٰ ہیں۔ صحابہؓ کرام اور صحابیاتؓ میں یہ دونوںؓ بالکل متوازی شخصیتیں ہیں۔

صحابہ کو ذہن میں رکھئے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ درجہ صدّیقین کے نمایاں ترین افراد میں سے ہیں اور اِدھر لے لیجئے حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو۔ درجۂ شہداء میں یہ دونوں حضراتؓ نمایاں ترین ہیں...... بنیادی انسانی جوہر ان چاروں اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں موجود ہے' لیکن فرق ملاحظہ کیجئے۔ حضرات حمزہؓ و عمرؓ کی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی کہ غور کریں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہہ رہے ہیں!...... مکہ کی چھوٹی سی بستی ہے' وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے رہے ہیں۔ دن رات آپؐ اسی دھن میں ہیں گھر گھر میں کشمکش ہو رہی ہے لیکن ان دونوں کی کوئی توجہ ہی اس جانب نہیں ہے۔ پھر یہ کہ دونوںؓ نہایت شجاع ہیں فنون حرب میں انؓ کا نمایاں مقام ہے۔ ایک کا مشغلہ ہے سیر و شکار۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی شخصیت کی کوئی جھلک اگر آپ نے صحابہ کرامؓ میں دیکھنی ہو تو وہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور ایک کے مزاج میں پہلوانی ہے۔ حضرت عمرؓ بڑے پہلوان تھے۔ باقاعدہ پہلوان۔ میں یہ لفظ صرف استعارہ کے طور پر استعمال نہیں کر رہا۔ عکاظ کے میلے جب ہوتے تھے تو ان میں حضرت عمرؓ باقاعدہ اپنی پہلوانی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے' چیلنج دے کر کشتیاں لڑتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی اگر کوئی جھلک آپ نے صحابہ کرامؓ میں دیکھنی ہو تو وہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نظر آئے گی

حضرت موسیٰ نے قبطی کے ایک گھونسا رسید کیا تھا کہ وہ دنیا سے کوچ کر گیا۔ دونوں کی دلچسپی انہی چیزوں کی طرف ہے اپنے مشاغل میں مگن ہیں۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ مکہ میں جو کشمکش ہو رہی ہے تو یہ معاملہ کیا ہے! یہ دعوت کیا ہے! اس کے دلائل کیا ہیں! اسے قبول کریں یا رد کریں! یہ دونوں کا مزاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں حضرات جذباتی طور پر متاثر ہوئے اور جذباتی انداز میں اسلام قبول کیا۔ ان دونوں کے ایمان لانے کے واقعات اتنے مشہور ہیں کہ یہاں اعادے کی حاجت نہیں۔ جبکہ حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں نہایت سلیم الفطرت، نہایت نرم طبیعت، لوگوں کے حق میں نہایت رحیم و شفیق، لوگوں کے کام آنے والے اور شرک سے پہلے ہی سے اجتناب کرنے والے۔ نہ سیئات انؓ کی زندگی میں، نہ منکرات انؓ کی زندگی میں، نہ شرک ان کی زندگی میں، نہ بت پرستی ان کی زندگی میں، نہ ان کی طبیعتوں میں سختی اور نہ غصہ، گویا دونوں بزرگوں میں نورِ فطرت پہلے سے موجود تھا نورِ وحی کی بدولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر نورٌ علیٰ نور کا معاملہ ہو گیا۔ سونا تو پہلے سے تھا، لیکن خام تھا اب وہ کٹھالی میں پڑ کر زرِ خالص بن گیا۔ یہ ہیں صدیقین کی دو اعلیٰ ترین مثالیں۔

مزاجوں کے فرق کا جو تقابل میں نے اختصار کے ساتھ ابھی آپ کے سامنے بیان کیا ہے، اس سے مجھے امید ہے کہ آپکو صحابہ کرام کے مزاجوں اور سیرت و کردار کے بارے میں ایک باطنی بصیرت حاصل ہوئی ہوگی۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ میں کیا فعّالیت تھی! جب یہ دونوں حضرات ۶ نبویؐ میں ایمان لائے تو اس وقت مسلمان دبے ہوئے تھے، چھپ چھپ کر عبادت کر رہے تھے۔ کہیں حضورؐ کا نام نہیں لے سکتے، کہیں اپنے ایمان کا اظہار نہیں کر سکتے، لیکن ان دونوںؓ کے ایمان لانے سے صورت حال بدل گئی۔ مسلمانوں کے اندر اعتماد پیدا ہو گیا ان کا حوصلہ بڑھ گیا اب مکہ کی گلیوں میں نعرے بھی لگ رہے ہیں۔ بیت اللہ کے صحن میں آ کر برملا نماز بھی ادا کی جا رہی ہے۔ یہ ساری صورت حال جو بدلی ہے تو اس میں ان دونوںؓ کے ایمان لانے کو فیصلہ کن دخل حاصل تھا۔

’شہادت‘ اور کارِ رسالت

اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے تین بنیادی امور کو سمجھ لیجئے۔ پہلی بات یہ کہ شہید، شاہد، شہادت اور شہداء کے الفاظ قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں اور کارِ رسالت کے ساتھ ان کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگرچہ ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گیا وہ شہید ہے۔ لیکن قرآن مجید میں

اس مفہوم میں یہ لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ صرف ایک مقام پر یہ مفہوم لینے کی گنجائش ہے۔ قرآن میں جب بھی شہید' شاہد یا شہادت کے الفاظ آتے ہیں تو اکثران کا استعمال کارِ رسالت کی ادائیگی کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی حق کی گواہی دینا' لوگوں پر حق کو اس طرح کھول کر بیان کر دینا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہ رہے' اتمام حجت کر دینا۔ اسی معنی میں اس امت کو 'شہداء علی الناس' قرار دیا گیا۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ "اور ہم نے اس طرح تمہیں ایک بہترین اور درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ بن جائیں"۔ یہی مضمون سورۂ حج کے آخر میں عکسی ترتیب سے آیا۔ لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَ تَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ اسی معنی میں یہ لفظ سورۂ احزاب میں آیا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○ اور اسی معنی میں یہ لفظ سورہ مزمل کی اس آیت میں آیا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○

دوسری بات یہ کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو کر مرتبۂ شہادت حاصل کرنا ایک الگ معاملہ ہے۔ جو شخص مزاجاً شہید ہو اور اللہ کی راہ میں قتل بھی ہو جائے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہے' لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مزاجاً شہید ہے' لیکن اسے طبعی موت نصیب ہو۔ ایک ایسا شخص جو کارِ رسالت کی ادائیگی میں نہایت چاق و چوبند ہے۔ تبلیغ دین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست و بازو بنا ہوا ہے۔ بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ دین کے کام میں لگا ہوا ہے۔ اس کی شجاعت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ پوری قوت کے ساتھ اس نے دین کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ گویا یہ مزاجاً تو شہداء میں سے ہے۔ چاہے اسے اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا نصیب ہو یا نہ ہو۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی جنگیں لڑیں! کتنے زخم کھائے! لیکن اللہ کی راہ میں قتل ہونا ان کے نصیب میں نہیں تھا۔ رہا حضرت عثمانؓ کا معاملہ! اس کے بارے میں میں عرض کر چکا ہوں کہ ان کا مزاج صدیقین کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کی موت بھی عطا فرمائی تو اس طرح بھی ان میں دو نور جمع ہو گئے۔ انؓ کو ذوالنورین اصلاً اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ کی دو لخت جگر یکے بعد دیگرے انؓ کے حبالہ عقد میں آئیں' لیکن آپؓ کا ذوالنورین ہونا دیگر بہت سے پہلوؤں کے باعث بھی تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزاجاً صدیق

تھے 'ان کو طبعی موت آئی۔ حاصل کلام کے طور پر یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ کارِ رسالت اور تبلیغ دین کے ساتھ لفظ شہادت کو گہری مناسبت ہے۔

ایک منفرد مگر متوازن مزاج

تیسری بات یہ کہ شاذ ہستیاں ایسی بھی ہیں جن میں دروں بینی اور بروں بینی کی صلاحیتیں کمال توازن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ جدید علم نفسیات کی اصطلاح میں ایسی ہستیوں کو 'AMBI-VERT' کہا جاتا ہے ان کے اندر حساسیت بھی دونوں طرح کی ہوتی ہے اپنی عزت نفس کا بھی پورا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کے دکھ درد کا احساس بھی کامل ہوتا ہے۔ ان کے اندر شجاعت بھی دونوں طرح کی جمع ہو جاتی ہے وہ شجاعت بھی جو قوت ارادی کی شکل میں اندر ہوتی ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیس الشدید بالصرعتہ انما الشدید الذی یملک نفسہ عندالغضب (متفق علیہ) "پہلوانی کسی کو پچھاڑ لینے کا نام نہیں ہے۔ اصل پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکے" اور وہ شجاعت بھی جو ظاہر و باہر ہو۔ جس کا مشاہدہ لوگ سر کی آنکھوں سے کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی توجہ خارج کی طرف بھی ہوتی ہے اور باطن کی طرف بھی۔ اور مظاہر میں بھی انکی دلچسپی یکساں ہوتی ہے اور حقائق میں بھی۔ یہ مزاج آپ کو بہت شاذ اور بہت مشکل سے ملے گا۔

نبی اکرمؐ کا امتیازی مقام

میرے نزدیک جماعت انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اکمل اور متوازن شخصیت جس میں یہ دونوں مزاج کمالِ توازن کے ساتھ اپنی اعلیٰ ترین شکل میں موجود تھے صرف اور صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ پوری نسل انسانی میں اس طرح کی جامع ہستی اور کوئی نہیں ملے گی۔ اس طرح کا جامع الصفات فرد کہیں نظر نہیں آئے گا۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہی ہے وہ بنیاد جو ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے بیان کی ہے۔ وہ نسل انسانی کے عظیم ترین سو افراد کی فہرست میں پہلے نمبر پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو لایا ہے۔ اس کی دلیل وہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

"He is the only person supremely successful in both the religious and secular fields."

وہ کہتا ہے کہ تاریخ انسانی میں صرف اور صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انسانی زندگی کے دونوں میدانوں میں کامیاب ترین شخصیت ہیں۔ ایک میدان مذہب کا ہے' اخلاق کا ہے' حسنِ معاملات کا ہے۔ عبادت وتقویٰ کا ہے۔ خیر کا ہے۔ روحانیت کا ہے۔ اور دوسرا میدان سیاست کا ہے' تمدن کا ہے' حکومت کا ہے' ریاست کا ہے' جنگ وصلح کا ہے' عدل وانصاف کا ہے' تعزیرات وحدود کا ہے۔ آج کے دور میں انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان سمجھے جاتے ہیں ایک انفرادی زندگی جس کا تعلق مذہب سے ہے اور ایک اجتماعی زندگی جس کا تعلق ریاست اور اس کے جملہ شعبوں سے ہے۔ ڈاکٹر ہارٹ کے اس ایک جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا مطالعہ کتنا وسیع ہے اور اس میں اظہارِ حقیقت کی کتنی جرات ہے کہ عیسائی ہونے کے باوجود دنیا کے عظیم ترین اشخاص میں سرفہرست لارہا ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو۔ میں اس کی ذہانت اور دیانت کو خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نے نہ صرف حضورؐ کی شان کاملیت کا ٹھیک ٹھیک ادراک حاصل کیا بلکہ اس کا اظہار کرنے میں بھی کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

"صِدِّیقًا نبیًّا اور رَسُولًا نبیًّا"

میں نے ابھی عرض کیا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کی مقدس جماعت میں آپ دیکھیں گے بعض کا مزاج شہداء کا ہے۔ ذہن میں رکھئے کہ شہید سے یہاں میری مراد مقتول فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ میری پوری گفتگو انسانی مزاج کے حوالے سے ہو رہی ہے۔ بعض کے مزاج میں وہ کیفیات ہوں گی جو مثلاً صحابہ کرامؓ میں سے آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ میں پا رہے ہیں۔ بعض انبیاء ورسلؑ کے مزاج میں آپ کو وہ کیفیات نظر آئیں گی جو مثلاً آپ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ میں دیکھ رہے ہیں..... قرآن مجید میں کئی مقامات پر نبیوں کے ناموں کے گلدستے آپ کو ملیں گے۔ سورہ مریم میں بھی ایک ایسا ہی گلدستہ ہے۔ وہاں دو نبیوں کی تعریف ان الفاظ میں آئی "صدّیقًا نبیًّا" یہ ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت ادریس علیہما السلام ان دونوں پر صدّیقیت کا رنگ غالب ہے۔ دو کے متعلق فرمایا" رَسُولًا نَبِیًّا" یہ ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام۔ وہی جن کا ذکر میں کر چکا ہوں کہ اگر حضرت اسمٰعیل کا نقشہ صحابہؓ میں دیکھنا ہو تو حضرت حمزہؓ ہیں۔ اور اگر حضرت موسیٰؑ کا نقشہ دیکھنا ہو تو حضرت عمر فاروقؓ ہیں..... حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق آپ نے پڑھا ہو گا کہ کنعان (فلسطین) سے چل کر کئی

بار حضرت ابراہیمؑ بیٹے سے ملنے مکہ مکرمہ تشریف لائے ہیں لیکن بیٹا نکلا ہوا ہے شکار کے لئے...... کئی دن منتظر رہے مگر بیٹا آیا ہی نہیں۔ کچھ پیغام چھوڑ کر بغیر ملے واپس چلے گئے ہیں۔ ایسے ہی حضرت حمزہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ تیر و کمان اور تلوار لے کر نکل گئے اور صحرا کے اندر کئی کئی دن شکار میں مشغول ہیں۔ یہ ان کا ذوق تھا۔ یہ بات میں عرض کر چکا ہوں کہ مفہوم کے اعتبار سے کارِ رسالت کی مناسبت لفظِ شہادت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیلؑ اپنے مزاج کے اعتبار سے شہداء کی صف میں آتے ہیں لہٰذا ان کا ذکر "رَسُوْلًا نَّبِیًّا" کے الفاظ سے ہوا۔

یہیں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ نبوت و رسالت جو منعم علیہم کے مراتب کا بلند ترین رتبہ اور درجہ ہے' وہ خواتین کے لئے نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں کے لئے رکھی ہے۔ خواتین کے لئے اعلیٰ ترین درجہ صدیقیت ہے چنانچہ حضرت مریم کے لئے قرآن میں یہی لفظ آیا ہے کہ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ صدیقہ تھیں۔

مثیلِ عیسیٰؑ، علی مرتضیٰؓ

اب آیئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کی طرف۔ انؓ کے مزاج کی ساخت' انؓ کی طبیعت' اور ان کی سیرت کے عناصر ترکیبی کو سمجھئے اور انؓ کی عظمت کو پہچانئے۔ آج کی اس تقریر کے لئے اخبار میں جو اشتہار شائع کرایا گیا ہے اس کو دیکھ کر بہت سے لوگ چونکے ہوں گے۔ میں نے اخباری اطلاع کا عنوان "مثیلِ عیسیٰؑ علی مرتضیٰؓ" کیوں بنایا! یہ لفظ تو حضرت علیؓ کے غالی عقیدت مندوں نے بھی کبھی استعمال نہیں کیا۔ یہ تم کہاں سے لے آئے! حضرات! یہ لفظ میں نے اس حدیث سے لیا ہے جس کے راوی خود حضرت علیؓ ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد ابن حنبلؒ اپنی مسند میں لائے ہیں اس کے علاوہ مستدرک حاکم' کامل ابن عدی اور مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ خود اہل تشیع کی مستند کتاب نہج البلاغہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول قریباً انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ گویا اس کی صحت پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں متفق ہیں۔ میں وہ بات بیان کر رہا ہوں جس میں کوئی اختلاف و افتراق نہیں ہے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْکَ مَثَلٌ مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَتْہُ الْیَھُوْدُ حَتّٰی بَھَتُوْا اُمَّہٗ وَ اَحَبَّتْہُ

النَّصارٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ بِالْمَنْزِلَۃِ الَّتِیْ لَیْسَتْ لَہٗ ثُمَّ قَالَ یَہْلِکُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یُقَرِّظُنِی بِمَا لَیْسَ فِیَّ وَ مُبْغِضٌ یَحْمِلُہٗ شَنَاٰنِی عَلٰی اَنْ یَبْہَتَنِیْ (رواہ احمد)

"حضرت علی کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان سے یہود نے بغض رکھا حتّٰی کہ ان کی والدہ پر (بدکاری کی) تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے انتہائی محبت کی حتٰی کہ انہیں اس مقام پر پہنچا دیا جو ان کا مقام نہیں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میرے بارے میں بھی دو افراد ہلاک ہوئے ایک میری محبت میں افراط کرنے والا کہ مجھ میں وہ اوصاف گنوائے جو مجھ میں نہیں اور ایک مجھ سے بغض رکھنے والا کہ وہ میری دشمنی میں یہاں تک بڑھ جائے کہ مجھ پر بہتان لگائے۔"

وہ کیا مثال ہے! وہ کیا مشابہت ہے! کس پہلو سے حضرت علیؓ مثیل عیسیٰ ہیں حضورؐ فرماتے ہیں کہ جس طرح یہود نے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام سے انتہائی بغض رکھا یہاں تک کہ انہوں نے ان کی والدہ پر (بدکاری کی) تہمت لگائی...... [1] اسی طرح کچھ لوگ حضرت علی سے بغض رکھیں گے......

دوسری انتہا کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصاریٰ نے انؑ سے انتہائی محبت کی اور انہیں اس منزل اور مرتبہ تک پہنچا دیا جو انؑ کا مقام نہیں ہے"...... مراد یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو اللہ کا صلبی بیٹا بنا دیا۔ وہ انہیں استعارہ کے طور پر اللہ کا بیٹا نہیں کہتے۔ اسی لئے وہ ابن کے بجائے ولد کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اقانیم ثلاثہ میں سے ہیں۔ خدائی میں

---

[1] آج کل یہودی عموماً بہت محتاط ہیں اس بہتان کا برملا اور علی الاعلان اظہار نہیں کرتے کیونکہ اس وقت دنیا میں امریکہ اور برطانیہ نیز دوسری عیسائی حکومتوں کے سہارے ہی سے تو ان کا وجود باقی ہے۔ لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہو کر وہ اپنے بغض کے اظہار سے باز بھی نہیں رہ سکتے۔ چند سال پہلے انہوں نے امریکہ میں حضرت عیسیٰؑ کے حالات پر ایک فلم بنائی تھی، اور وہ وہاں چلی...... انہوں نے اس کا نام ہی 'SON OF MAN' "انسان کا بیٹا" رکھا۔ اب انسان کا بیٹا کہنے کا مطلب کیا ہوا! حضرت مریم کی شادی تو ہوئی نہیں۔ عیسائی ان کو کنواری مانتے ہیں۔ اب "انسان کا بیٹا" کہنے کے معنی تو یہ ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ کسی انسان کے نطفہ سے ہیں...... نتیجہ کیا نکلا! اس کو وہ فلم دیکھنے والے پر چھوڑ دیتے ہیں

شریک ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس طرح شریک ٹھہرالیناشرک کی عریاں ترین اور بدترین شکل ہے۔ عیسائی اس گھناؤنے جرم کے مرتکب ہوئے.....

حضورؐ کے اس ارشاد کی وضاحت میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے بارے میں بھی دواشخاص ہلاک ہوں گے..... یعنی ہلاکت' بربادی تباہی اور ضلالت کی انتہا کو پہنچ جائیں گے۔ ایک وہ ہلاک و برباد ہو گا جو میری محبت میں افراط کو پہنچ جائے گا۔ اور میرے اندر وہ اوصاف گنوائے گا جو میرے اندر نہیں ہیں"۔ دوسراوہ شخص ہلاک ہو گا۔ !جو مجھ سے عداوت' دشمنی' عناد رکھے گااور میری دشمنی اسے یہاں تک پہنچائے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ مجھ سے وہ جرائم منسوب کرے گاجن سے اللہ نے مجھے پاک صاف رکھا ہے..... یہ ہے وہ حدیث جس کے حوالہ سے میں نے اپنی آج کی گفتگو کاعنوان "مثیل عیسیٰؑ علی مرتضیٰؓ"..... اخذ کیا ہے۔

حدیث کا پس منظر

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کی شرح اور اس کی وہ توضیح جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی دونوں کو تاریخ کے تناظر میں رکھ کر دیکھ لیجئے۔

سبائی فتنہ

ایک انتہاوہ ہے جس کا بانی عبداللہ ابن سبا ہے یہ شخص علاقہ یمن کا رہنے والاایک یہودی عالم تھا۔ جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بالکل ابتدائی دور خلافت میں اسلام قبول کیا تھا.....بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ اس کا قبول اسلام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا۔ وہ اسلام میں داخل ہو کر اندر ہی اندر ایک طرف توحید ورسالت کی بنیادوں کو منہدم کرنا چاہتا تھا' دوسری طرف اس کی اسکیم یہ تھی کہ مسلمانوں میں اختلاف وافتراق پیدا کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے اور ؏

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کے آگے بند باندھے۔ اسلام کو جو قوت و شوکت حاصل ہو رہی ہے اُسے پاش پاش کر دے۔ خلافت فاروقی کے قریباً دس سالوں میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا دائرہ

اتنی تیزی سے وسیع ہوا کہ دو بڑی مملکتوں روم و فارس کے بیشتر علاقے اسلام کے زیر اقتدار آ گئے۔ مجوسیوں کی سازش کے نتیجہ میں فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں داخلی انتشار پیدا ہو گا۔ ان کے اتحاد میں نقب لگ جائے گی۔ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اسلام کی فتوحات کی یلغار رک جائے گی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھال کر حالات پر پوری طرح قابو پالیا۔ داخلی استحکام میں نہ کوئی رخنہ آیا نہ کوئی خلل واقع ہوا۔ مفتوحہ علاقوں میں چند شورشیں اور بغاوتیں اٹھیں ان کو حضرت عثمانؓ نے نہ صرف فرو کر دیا بلکہ فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا۔ حتّٰی کہ فارس (ایران) کا جو علاقہ عہدِ فاروقی میں فتح ہونے سے باقی رہ گیا تھا وہ بھی اسلام کے زیر نگیں آ گیا اُدہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق خلافت عثمانی میں کسریٰ کی سطوت اور سلطنت کے پرخچے اڑنے کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس دوران مفتوحہ ممالک کے بے شمار لوگ اسلام کو دین حق اور وسیلۂ نجات جان کر اور سمجھ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض وعداوت کا لاوا پک رہا تھا اور وہ اسی ارادے اور منصوبے کے ساتھ مسلمانوں میں شامل ہوئے تھے کہ موقع ملتے ہی کوئی شورش اور فتنہ کھڑا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

ابنِ سبا اور پولوس : ایک عجیب مماثلت

اس تناظر میں عبداللہ ابن سبا آگے بڑھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنا سازشی ذہن یہودی قوم کا ہے اور اس کام میں جو بے پناہ مہارت اس قوم کو حاصل ہے اس کا کوئی دوسری قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سازشی منصوبہ بندی میں اس قوم کو کمال حاصل ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰ ؑ جو دینِ حق لے کر تشریف لائے تھے وہ خالص دین توحید تھا۔ انہوں نے یہود کے ان فاسد عقائد' بدعات اور اعمال بد پر شدید تنقیدیں فرمائیں جو ان کے دنیا پرست علماء نے دینِ خالص کے چشمۂ صافی میں دین ہی کے نام سے داخل کر دی تھیں۔ یہود اس کو برداشت نہ کر سکے۔ ان کے عالموں' پیشواؤں اور عوام نے حضرت عیسیٰ ؑ کو جھوٹا مدعیٔ نبوّت' جادوگر' شعبدہ باز قرار دیا اور یہودی شریعت کے مطابق مرتد اور واجب القتل ٹھہرا کر اپنی عدالت میں مقدمہ چلا کر انہیں صلیب کے ذریعہ

سے سزائے موت دینے کا فیصلہ صادر کر دیا۔ پھر اس وقت کی برسر اقتدار رومی حکومت کے گورنر سے فیصلہ کے نفاذ کی منظوری بھی حاصل کر لی اور اپنے نزدیک حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھوا کر دم لیا جبکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق حضرت عیسےٰؑ کو جسمانی طور پر آسمان پر اٹھالیا گیا اور قیامت کے قریب دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور ان ہی کے ہاتھوں یہودیوں کا قتل عام ہو گا۔ وہ اس کلی خاتمے کے عذاب کا مزہ چکھیں گے جو رسولوں کا انکار کرنے والی قوموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا ہے...... یہود اپنی دانست میں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھوا کر بے فکر ہو گئے تھے کہ انہوں نے علمی و عملی توحید خالص کے چشمہ صافی کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ لیکن حضرت مسیحؑ کے مخلص اور صادق العہد حواریوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی آں جنابؑ کی لائی ہوئی ہدایت کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور انؓ کی مخلصانہ جدوجہد برگ و بار لانے لگی اور دعوت حق کے غلبہ کے آثار ہویدا ہونے لگے تو یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ دینِ خالص کی مقبولیت اور اس کی توسیع کا راستہ روکنے کے لئے ساؤل نام کا ایک مشہور یہودی عالم جو دین عیسوی کا انتہائی دشمن تھا اور وہ اس کی شدید ترین مخالفت میں پیش پیش رہتا تھا، یہی عیسائیت قبول کرنے والوں پر خود بھی مظالم کرتا اور دوسروں سے بھی کراتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ شدید مخالفت اور مظالم کے باوجود دین عیسوی پھیل رہا ہے تو اس نے پینترا بدلا اور اپنے ایک من گھڑت مکاشفہ یا مشاہدہ[1] کا اعلان کر کے عیسائیت قبول کر لی۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ حضرت عیسےٰؑ نے اس مکاشفہ میں مجھے نام بدلنے کی بھی ہدایت کی ہے

---

[1] ساؤل (پولوس) نے ایک مجمع عام میں ڈرامائی انداز میں اعلان کیا کہ "میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف اپنی جدوجہد کے لئے دمشق جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک منزل میں آسمان سے زمین تک ایک نور ظاہر ہوا اور آسمان ہی سے یسوع مسیح کی آواز مجھے سنائی دی کہ "اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے"۔ اور انہوں نے مجھے ایمان لانے اور اپنے دین کی خدمت اور منادی کرنے کی ہدایت دی اور وصیت فرمائی۔ میں یہ معجزہ دیکھ کر ان پر ایمان لے آیا ہوں اور اب میں نے اپنی زندگی کو یسوع مسیح کے دین کی خدمت اور منادی کے لئے وقف کر دیا ہے...... حضرت عیسےٰؑ کے صحیح الفکر اور صادق الایمان حواریوں نے پال کے اس مکاشفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ان عقائد کی بھی تکذیب کی جو اس نے گھڑ لئے تھے۔ انہی حواریوں کے باقیاتِ صالحات تھے وہ راہب جن کی صحبت سے حضرت سلیمان فارسی رحمتہ اللہ علیہ فیض یاب ہوئے تھے۔ چند حواریوں نے پال کی باتیں قبول کر لیں جس کے باعث دین مسیح مسخ ہو کر رہ گیا (مرتب)

چنانچہ اب میرا نام پولوس ہو گا۔ یہی مکار شخص اب عیسائی دنیا میں سینٹ (ولی) پولوس یا سینٹ پال کے نام سے مشہور ہے۔ جبکہ میرے نقطہ نظر سے اسے شیطان پال کہنا مناسب ہے۔

اس یہود زادے نے دین عیسوی میں تحریفات پر ہی بس نہیں کیا بلکہ خالص دین توحید کو مسخ کر کے اس میں عریاں ترین اور بدترین شرک شامل کر دیا۔ یہ پال ہی ہے جس نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا باقاعدہ صلبی بیٹا قرار دیا' ان' کو الوہیت میں شریک ٹھہرایا اور روح القدس کو' جس سے بعض فرقے حضرت مریم اور بعض حضرت جبرئیلؑ مراد لیتے ہیں' اقانیم ثلاثہ میں شامل کر کے تثلیث کا عقیدہ گھڑا...... اسی پال نے شریعت موسوی کو منسوخ قرار دیا جبکہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول موجودہ اناجیل میں اب بھی موجود ہے کہ "یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔" اسی پال نے کفارہ کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہ بھی اسی کی خرافات ہے کہ جو بھی حضرتِ مسیحؑ پر اس کے عقیدے کے مطابق ایمان لائے گا۔ اس کے گناہ آخرت میں اسے کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے کیونکہ اپنے بندوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے خدا نے اپنا بیٹا صلیب پر چڑھوا دیا۔ منصف مزاج عیسائی محققین برملا اعتراف کرتے ہیں کہ موجودہ عیسائیت کا کوئی تعلق حضرتِ عیسیٰؑ کے لائے ہوئے دین سے نہیں ہے یہ خالص پال کی گھڑی ہوئی ضلالت ہے۔

عبداللہ ابن سبا کی سازش پال (پولوس) کی سازش سے کم نہیں تھی۔ پال نے سچے دین عیسوی میں جو تحریف و تخریب کی تھی اس سے عبداللہ ابن سبا کے سازشی ذہن نے یہ سبق لیا کہ توحیدِ خالص کی حامل امت کو گمراہ کرنے' راہ حق سے ہٹانے اور غیر ضروری مسائل میں الجھانے کا آسان راستہ یہ ہے کہ امت کی نظر میں جو مقدس اور محبوب ترین شخصیتیں ہوں ان کے متعلق محبت و عقیدت میں غلو اور افراط کے جذبات کو ابھارا جائے۔ ان میں سے بعض کو بعض پر غیر ضروری فضیلت دینے کا حربہ استعمال کر کے اختلاف و افتراق پیدا کیا جائے...... خلافت عثمانیؓ کے ابتدائی دور میں جبکہ وہ منافقانہ طور پر اسلام لا چکا تھا اس نے مدینہ ہی میں اس کام کی ابتدا کر دی لیکن اس نے اپنی ذہانت سے اُسی وقت اندازہ لگالیا کہ یہاں ہی نہیں بلکہ پورے حجاز میں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے۔ اس علاقہ میں دینی شعور نہایت گہرا ہے اور دین کے ایسے پاسبان موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے اس کے مذموم مقاصد میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا اس نے مفتوحہ علاقوں کے اہم شہروں کا دورہ شروع کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ ان علاقوں میں جہاں بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت اور صحابہؓ کرام کی سیرت و کردار سے مسخر اور مطمئن ہو کر صدق دل سے ایمان لائے تھے' وہاں اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو اسلامی

انقلاب کی طوفانی یلغار اور توسیع سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوئے تھے اور ایمان ان کے دلوں میں اترا نہ تھا' وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ ابن سبا نے ایسے ہی لوگوں میں سے اپنے ڈھب کے افراد کو چن کر خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا۔ پہلے اس نے شام میں کوشش کی لیکن وہاں کوئی شخص اس کے جھانسے میں نہیں آیا۔ پھر اس نے مصر' بصرہ اور خاص طور پر کوفہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ ان مقامات پر اسے اپنے ڈھنگ کے کچھ منافق اور کچھ جاہل اور ناتربیت یافتہ لوگ مل گئے۔ ایسے سیدھے سادھے لوگ بھی خاصی تعداد میں اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے جن کے خمیر میں شخصیت پرستی رچی بسی تھی۔ اس طرح اس نے ایسے لوگوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جو اس کی مفسدانہ مہم میں اس کے مددگار بن گئے۔

ابنِ سبا کی تکنیک

یہ ساری ریشہ دوانیاں یہ یہود زادہ بڑی رازداری' ہوشیاری' اخفا اور مکرو فریب سے اس طرح انجام دے رہا تھا جس طرح ہمارے دور میں زیر زمین سبوتاژ کی خفیہ تحریکیں چلتی ہیں۔ وہ خود اور اس کے قریبی ساتھی خفیہ طور پر مختلف شہروں میں جاتے آتے رہتے۔ کوفہ کے عمّال کی مصر میں اور مصر کے عمّال کی کوفہ میں برائیاں کرتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ یہ عمّال اپنے اختیارات سے ناجائز فائدے اٹھا رہے ہیں' پُرتعیش زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ پھر یہ خرابیاں خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ کے کھاتے میں ڈالی جاتی تھیں۔ چودہ سو برس پہلے کے زمانے کا تصور کیجئے۔ نہ اخبارات' نہ ریڈیو' نہ ٹیلی ویژن' نہ ڈاک کا معقول انتظام۔ لوگوں کے پاس دوسرے شہروں کے حالات معلوم کرنے کے ذرائع مفقود تھے۔ آج اس ترقی یافتہ دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ' وسائل معلومات وسیع تر ہو چکے ہیں' اکثر و بیشتر لاہور جیسے شہر میں ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں صحیح خبر نہیں پہنچتی۔ اس میں دسیوں افسانے شامل ہو جاتے ہیں۔

پھر اس عیار یہودی نے مذہبی اور سیاسی محاذ ایک ساتھ کھول رکھے تھے۔ کہیں وہ یہ شوشہ چھوڑتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تو دنیا میں واپس آئیں اور حضورؐ نہ آئیں۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتا کہ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ اس آیت کا شیخ الہندؒ نے ترجمہ کیا ہے۔ "(اے نبی) جس (اللہ) نے حکم بھیجا تجھ کو قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔" تمام متقدّمین و متأخّرین

مفسروں نے یہاں "رَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" سے ہجرت کے بعد حضورؐ کا بطور فاتح مکہ واپس لوٹنا مراد لیا ہے۔ اس میں وفات کے بعد حضورؐ کے اس دنیا میں دوبارہ واپس آنے کا ادنیٰ سا اشارہ بھی موجود نہیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے زیر اثر نادانوں اور ناتربیت یافتہ لوگوں نے قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف اس کی بات مان لی ہے تو اس نے محبت و عقیدت کا رخ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف پھیرنے کے لئے اپنے حالی موالیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے جو نبی کا خصوصی قرابت دار اور تربیت یافتہ ہوتا ہے۔ جس کو نبی خاص وصیتیں اور اہم و خفیہ ہدایات دیتا ہے لہٰذا علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں...... پھر یہ کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح خاتم الاوصیاء ہیں۔ خلافت کے حقیقی حقدار علیؓ ہیں پہلے دو خلفاء بھی غاصب تھے۔

پھر اس نے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنی شروع کی اور اس نے اہم شہروں میں اپنے داعی اور ایجنٹ پھیلا دیئے جو یہ پراپیگنڈہ کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو معزول کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے قریباً دس سال کی یہ مذموم سازش اور شر و فساد کی یہ خفیہ تحریک رنگ لائی اور ۱۸ ذی الحجہ ۲۵ھ کو سبائیوں کے ہاتھوں حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ انتہائی مظلومانہ طریق پر شہید کر دیئے گئے۔ انہوںؓ نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جملہ وسائل رکھنے کے باوجود اپنی جان کے تحفظ کے لئے ان باغیوں اور منافقوں کے خلاف طاقت استعمال کرنے اور تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی اس لئے کہ ان سبائیوں کے پاس کلمۂ طیبہ کی ڈھال موجود تھی۔

حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد ان سبائیوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا کہ آپؓ ان سے اور عامۃ المسلمین سے خلافت کی بیعت لے لیں لیکن حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ تین دن تک مسند خلافت خالی رہی جس پر یہ سبائی انؓ کے ساتھ بھی گستاخی کرنے لگے...... ادھر اہل مدینہ نے بھی حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ امت بغیر خلیفہ کے رہ گئی ہے۔ اب آپؓ کے سوا امت مسلمہ میں کوئی دوسری ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس عظیم منصب کے لئے قابلِ ترجیح ہو...... چنانچہ اہل مدینہ کے اصرار پر جن میں اصحابؓ رسولؐ کی بھی اچھی خاصی تعداد شامل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت لے لی۔

محبّت میں غلو : سبائی سازش کا شاخسانہ

اب تک میں نے اس یہودزادے عبداللہ ابن سبا کی اُن سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ کے دین کے اس دشمن نے مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا کرنے کے لئے کی تھیں اس نے عراق کے لوگوں میں جو طویل عرصہ تک کسریٰ کے ماتحت رہے تھے اور ایران کے اصل باشندوں میں سے جو لوگ اسلام لے آئے تھے' ان کے اندر خاص طور پر کام کر کے ان کی محبت و عقیدت کا رخ بڑی عیاری اور ہوشیاری سے حضرت علیؓ کی طرف پھیر دیا۔ ان لوگوں میں چونکہ صدیوں سے شخصیت پرستی رچی بسی تھی اور یہ خاندانی بادشاہت و حکومت کے خوگر تھے لہٰذا عبداللہ ابن سبا کو اس کام میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا ہیں ان ؓ کے قالب میں روح خداوندی ہے۔ حضرت علیؓ نے جب مدینۃ النبیؐ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنالیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کے لئے زیادہ موزوں ثابت ہوا۔

حضرتِ علیؓ کا اقدام

اہل سنت اور اہل تشیع کی اکثر مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ جب عبداللہ ابن سبا کی ان گمراہ کن جسارتوں کی خبر حضرت علیؓ تک پہنچی تو انہوں نے اسے بلوایا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا تو یہ باتیں کہتا ہے! اس نے اقرار کیا اور حضرت علیؓ کے سامنے کھڑے ہو کر برملا کہا کہ میرے دل میں القا ہوا ہے کہ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہ "بے شک آپ اللہ ہیں" ...... حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کفر سے توبہ نہیں کرو گے تو زندہ آگ میں جلوادوں گا...... اس نے کہا کہ آپ ہمارے خدا ہیں' خدا امتحان لیتا ہی ہے' آپ بھی ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ ہم اس امتحان میں ثابت قدم رہیں گے۔ اہل سنت اور اہل تشیع کی مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ اس لعین نے سادہ لوح لوگوں پر اس طرح یہ نشہ چڑھا دیا تھا کہ ستر آدمی اس موقع پر اس کے ساتھ تھے اور اس عقیدہ باطل میں اس کے ہم نوا تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو توبہ کے لئے تین دن کی مہلت دی اور قید کرا دیا۔ لیکن ابن سبا اور اس کے ساتھی باز نہ آئے اور انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار حضرت علیؓ نے ایک خندق کھدوائی' اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ اور اس کے دھوئیں سے مار دیا [1] ...... حضرت علی رضی اللہ

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پہ ملاحظہ فرمائیں۔

تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کی حیثیت سے اس بد ترین شرک کی جو بد ترین سزا ہونی چاہئے تھی وہ نافذ کی۔ یہ شرک ہی نہیں بلکہ کھلم کھلا ارتداد تھا کیونکہ وہ سب مسلمان ہونے کے مدعی تھے۔ خود کو مسلمان کہتے ہوئے کسی انسان کو خدا مان لینے سے بڑا ارتداد اور کون سا ہو گا۔ بعض روایات کے مطابق ان جلائے جانے والوں میں عبداللہ ابن سبا شامل نہیں تھا۔

ابنِ سبا کی شخصیت!

اب تک کی میری گفتگو سے یہ بات آپ حضرات پر واضح ہو گئی ہو گی کہ عبداللہ ابن سبا نہایت غالی اور کٹر یہودی تھا اور اس نے اسلام کو اسی طرح نقصان پہنچانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا جیسے پولوس نے۔ اس نے حضرت علیؓ کو "خدا" بنا دیا۔ آج بھی چند فرقے حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں ہمارے ملک کے آغاخانیوں کے علاوہ شام اور لبنان میں "نصیری" نام کا ایک فرقہ حضرت علیؓ کو آج بھی خدا مانتا ہے۔

عبداللہ ابن سبا کے بارے میں آج کل ایک گروہ کے بعض حضرات نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ تاریخ میں اس نام کی کوئی حقیقی شخصیت موجود نہیں تھی۔ یہ تو افسانوی اور مفروضہ شخصیت ہے۔ حالانکہ اس شخص کے تذکرے پہلی صدی ہجری کی بے شمار مستند کتابوں میں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ جس طرح اہل سنت کے نزدیک احادیث کی معتبر ترین کتاب صحیح بخاری ہے اسی طرح اثنا عشری امامیہ اہل تشیع کے نزدیک ان کی کتب حدیث میں سب سے زیادہ مستند و معتبر کتاب ابو جعفر یعقوب کلینی رازی کی کتاب "الجامع الکافی" ہے۔ اور اہل تشیع کے ہاں احادیث کے راویوں کے بارے میں "اسماء الرجال" کی سب سے زیادہ قابل اعتماد کتاب "رجال کشی" ہے۔ ابو عمر الکشی کی اس کتاب کا پورا نام "معرفت اخبار الرجال" ہے اس کتاب میں حضرت زین العابدین، حضرت[1] باقر اور حضرت جعفر

---

[1] اہل تشیع کی مستند کتاب "رجال کشی" میں پوری سند کے ساتھ حضرت محمد باقر رحمہ اللہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اِنَّ عبداللّٰه بن سبا یَدَّعِی النَّبُوَّةَ وَیَزْعَمُ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ علیه السّلام هُوَ اللّٰه (مرتب)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اہل تشیع کی مستند کتاب "رجال کشی" میں ایک روایت حضرت باقرؒ سے ہے کہ حضرت علیؓ نے آخری وقت بھی ان کو توبہ تلقین کی پھر ان کے انکار پر ان کو آگ میں ڈلوا دیا۔ الفاظ ہیں قَالَ عَلِیٌّ تُوْبُوْا قَالُوْا لَا نَرْجِعُ ثُمَّ قَذَفَهُمْ فِی النَّارِ (مرتب)

صادق رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعدد اقوال موجود ہیں جس میں اس شخص عبداللہ ابن سبا کاذکر ہے..... رجال کشی میں حضرت جعفر صادقؒ کا یہ قول اسناد کے ساتھ موجود ہے کہ "خدا ابن سبا پر لعنت کرے۔ اس نے حضرت علی کے متعلق ربوبیت کا دعویٰ کیا' خدا کی قسم امیرالمومنین اللہ کے بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس پر جو ہم پر جھوٹ باندھتا ہے اور لوگ ہمارے بارے میں وہ کچھ کہتے ہیں جو ہم اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ ہم بارگاہ الٰہی میں ان لوگوں سے اپنی برات کا اعلان کرتے ہیں۔" اسی رجال کشی میں حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ "جس نے حضرت علی پر افترا کیا اس پر اللہ لعنت کرے میں جب عبداللہ ابن سبا کو یاد کرتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ اس نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔" خود اپنی مستند و معتبر کتاب کی روایات کے باوجود عبداللہ ابن سبا کی شخصیت کو قریباً تیرہ چودہ صدیوں کے بعد افسانوی اور فرضی شخصیت قرار دینے کی جو لوگ جسارت کر رہے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق میں کیا کہوں! رجال کشی کی روایات کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں! اس طرح تو وہ اپنے مذہب کی بنیاد کو منہدم کر رہے ہیں۔

عبداللہ ابن سبا اور اس کے پیروکاروں نے جس فتنے کی بنیاد رکھی' حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کی تردید اور پرزور تردید کے بعد بھی اس فتنہ کا دروازہ بند نہیں ہوا اور اس کے مضر نتائج اور گمراہ کن عقائد تا حال موجود ہیں جن کا خمیازہ امت صدیوں سے بھگتتی چلی آ رہی ہے۔

دوسری انتہا : خوارج

جنگ صفین میں تحکیم قبول کر لینے کا ایک شدید ردعمل یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کے لشکر کی ایک معتدبہ اور قابل لحاظ تعداد اس مسئلہ پر آپؓ کی مخالفت کے اعتبار سے دوسری انتہا تک پہنچی اور خوارج' کہلائی جب حکم بنانے کا مطالبہ ہوا تو دونوں لشکروں میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن اس کے ناکام ہو جانے اور صفین سے کوفہ واپس آنے کے بعد ان خوارج نے حضرت علیؓ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ..... نقل کفر کفر نہ باشد انہیں کافر قرار دیا۔ کافر ہو گئے تو مرتد ہو گئے۔ اب توبہ کریں' تجدید ایمان کریں۔ ورنہ ارتداد کے باعث واجب القتل ہیں..... ان کا موقف کیا تھا یہ کہ آپؓ نے تحکیم کیوں قبول کی! اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں' کوئی حاکم نہیں۔ کوئی حکم دینے کا مجاز نہیں۔ آپؓ نے کیسے حکم مان لیا گویا آپؓ کو اس پر یقین نہیں ہے کہ آپ خلیفہ برحق ہیں۔ آپ نے اس صریح واضح اور بیّن بات کو متنازع تسلیم کر لیا کہ آپ کی خلافت نزاعی ہے۔ خوارج ان

اعتراضات کی بنیاد پر حضرت علیؓ پر ارتداد کا بہتان لگا کر آپؓ سے توبہ اور تجدید ایمان کا مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ بڑے حلیم الطبع صلح جو اور نرم مزاج کے مالک تھے آپؓ کو خون ریزی قطعی پسند نہیں تھی۔ آپؓ نے آخری حد تک کوشش کی کہ خوارج اپنی ضلالت اور گمراہ سے توبہ کر لیں اور باز آ جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ گفت و شنید اور افہام و تفہیم کی انتہائی کوشش کی۔ بہت سے سربر آوردہ لوگوں کو بار بار ان کے پاس بھیجا۔ ان کے قائدین کو بلا کر خود بھی انہیں خوب سمجھایا۔ جب وہ اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر تم اس عقیدے پر قائم رہو یہ باطل نظریہ اپنے تک رکھو تب بھی میں تمہارے خلاف کوئی اقدام نہیں کروں گا۔ تم سے کوئی تعرض نہیں کروں گا بشرطیکہ تم بدامنی اور غارت گری کا ارتکاب نہ کرو۔ اگر فتنہ و فساد پھیلاؤ گے تو پھر مجھے تمہارے خلاف اقدام کرنا پڑے گا...... لیکن یہ لوگ اتنے بپھرے ہوئے تھے اور اپنے نظریات میں اتنے پختہ تھے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف اقدامات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ابتداً یہ چھاپے اور شب خوں مارتے اور فرار ہو جاتے۔ دوبدو باقاعدہ جنگ سے گریز کرتے۔ لیکن بالآخر نہروان کے مقام پر دونوں لشکر باقاعدہ مقابلے کے لئے آمنے سامنے آ گئے۔ اس وقت بھی حضرت علیؓ نے بڑی کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے' ان کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔ انہیں سمجھا دیا جائے۔ آپؓ نے آخری تدبیر یہ اختیار کی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو سفید جھنڈا دے کر ایک طرف کھڑا کر دیا اور اعلان کر دیا کہ جو بھی اس جھنڈے تلے آ جائے گا اس کے لئے امان ہے۔ وہ گویا غیر جانب دار ہو گیا' نہ ادھر رہا نہ ادھر رہا۔ آپؓ کی اس تدبیر سے کافی لوگ خوارج کے لشکر سے نکل کر ادھر چلے گئے۔ پھر بھی خوارج کے لشکر میں قریباً ساڑھے چار ہزار افراد باقی رہ گئے۔ پھر جب دوبدو جنگ ہوئی ہے تو نو افراد کے سوا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ اس بہادری سے لڑے ہیں کہ ان کی شجاعت کے تذکرے تاریخ کے اوراق میں ثبت ہو گئے۔ مغالطہ ہوتا ہے تو اتنا شدید ہوتا ہے۔ تھا تو مغالطہ' لیکن کتنا شدید کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی ناحق پر ہیں۔ انہوں نے اپنے اس باطل نظریہ اور عقیدہ کی خاطر اپنی جانیں دے دیں جو ان کے اذہان و قلوب میں بیٹھ گیا تھا...... یہ بات جان لیجئے کہ نظریئے اور عقیدے کی محبت خواہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو انسان کو جان کی بازی لگانے اور قربان کرنے پر آمادہ کر لیتی ہے...... بہرحال دورِ علوی ہی میں خوارج نے ایک باقاعدہ فرقہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ان کے علیحدہ عقائد تھے۔ ان کے بارے میں یہ بڑے شدید تھے۔ بنو عباس کی خلافت کے آغاز تک ان کی ترک تازیاں' سورشیں بغاوتیں جاری رہیں۔ اغلباً

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے ان کا پورا قلع قمع کیا۔

خوارج کے ہاتھوں حضرتِ علیؓ کی شہادت

درحقیقت جنگ صفین کے فوراً بعد ہی تین خارجیوں نے خفیہ طور پر طے کیا کہ جب تک تین اشخاص حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، اور حضرت عمرو ابن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگی سے نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ یہ تینوں بیک وقت ان تینوں کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ تاریخ اور وقت طے ہو گیا۔ ابن ملجم کے ہاتھوں کوفہ میں حضرت علیؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ اس شقی اور بد بخت سے ایک خوبصورت خارجی عورت نے مہم کی کامیابی کے بعد شادی کا وعدہ کیا تھا...... اسی روز دمشق میں نماز فجر ہی کے دوران حضرت معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا وہؓ بچ گئے۔ حملہ آور گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ عمرو ابن العاصؓ اس صبح کو خود امامت کے لئے نہیں آئے تھے۔ ان کے دھوکہ میں وہ صاحب شہید ہوئے جو انؓ کی جگہ امامت کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے زہر آلود خنجر سے حضرت علیؓ پر اس وقت وار کیا جب آپؓ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے سر سجدہ میں تھا اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا۔ سر پر کاری زخم آیا۔ زندگی کی امید نہ رہی۔ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نہایت مفید نصائح کیں اور اسی روز یعنی ۲۰ر رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کی شب کو فضل و کمال، رشد و ہدایت اور تقویٰ و طہارت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا...... اناللہ و انا الیہ راجعون...... ابن ملجم گرفتار ہو گیا تھا آپؓ نے وصیت کی کہ اگر میں بچ گیا تو خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ اگر میری موت واقع ہو جائے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جائے اور اس کی نعش کی کوئی بے حرمتی نہ کی جائے۔

ایک تقابل

اب آپ حضرات دیکھئے کہ ایک انتہا یہ ہے کہ خوارج نے خلیفہ راشد، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتد قرار دے کر واجب القتل ٹھہرایا اور ان کے ایک شقی نے آخر کار اس بطل جلیل کو شہید کر ڈالا گویا اپنی دانست میں انؓ کو قتل کی سزا دے دی۔ اور دوسری انتہا پر عبداللہ ابن سبا اور اس کی معنوی ذریت پہنچی جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا قرار دیا اور اس کفر، شرک اور باطل عقیدے کی خاطر اپنی جانیں دے دیں۔ اب آپ سوچئے کہ کسی اور صحابیؓ کے بارے میں ان دو انتہاؤں کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آئے گا۔

موجودہ دور میں غلو کے مظاہر

میں نے یہ جو انتہائیں بیان کیں' ان کے بانی مبانی وہ ہیں جو دائرہ اسلام سے باہر ہیں۔ اب ان انتہاؤں کے شاخسانوں اور باطل اثرات کا دائرہ اسلام کے اندر جائزہ لیجئے۔

محبّت میں غلو

میں اہل تشیع کا ذکر کرنا نہیں چاہتا' امامت معصومہ ان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سنیو ں کا جو حال ہے اس پر غور کیجئے۔ کیا ہمارے عوام الناس بلکہ خواص کے بھی قابل اعتنا حصہ کی زبانوں پر "علی مشکل کشا" اور "یا علی مدد" چڑھا ہوا ہے کہ نہیں! یہ کیا ہے؟ یہ سب ایک اعتبار سے سبائیت کے عقیدے کا ظہور ہے کہ نہیں! یہ اسی کے اثرات ہیں کہ نہیں! آپ غور کیجئے کہ کوئی "یا محمدؐ مدد" نہیں کہتا۔ "محمدؐ مشکل کشا" کسی سنی کی زبان پر نہیں آتا...... کوئی سنی سوچے کہ کیا حضرت علیؓ جناب محمدؐ سے بھی اونچے ہیں۔ ایک گروہ اپنے امتیاز کے اظہار کے لئے اپنی مساجد پر "یا محمدؐ" لکھوالے گا۔ اس کے طغرے گھروں میں لگالے گا۔ مگر کیا آج تک "یا محمدؐ مدد" اور "محمدؐ مشکل کشا" کبھی سنا ہے! نہیں یہ گستاخی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہیں ہوئی...... یہ اللہ کی خصوصی حفاظت ہے کہ اس طرح شرک اس کے آخری نبیؐ کے نام کے ساتھ منسوب نہیں ہوا۔

بغض و عداوت میں غلو

اسی طریقہ سے اگر آپ دوسری انتہا کو دیکھنا چاہیں گے یعنی حضرت علیؓ کی عداوت اور دشمنی کو جس کا خوارج نے ارتکاب کیا تھا تو ہم سنیّو ں میں بھی ایک طبقہ موجود ہے اور یہ اچھے خاصے پڑھے لکھوں پر مشتمل ہے جو ایک ردعمل کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہؓ خلافت کے امیدوار تھے یا کسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں انؓ کا بھی ہاتھ تھا۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ بدقسمتی سے ہماری صفوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ ناصبی کہلاتے ہیں۔ یہ طبقہ خلافت بنی امیہ سے چلا آرہا ہے یہ بھی ایک خاص ردعمل سے متاثر ہو کر وہی کام کر رہے ہیں جو خوارج اور عبداللہ ابن سبا نے کیا تھا۔ نتیجہ تو ایک ہی نکلتا ہے۔ صحابہؓ اور وہ بھی کبار صحابہؓ میں سے کسی کو متّہم کر دیا جائے' انؓ کی سیرت کو کسی طرح داغ دار کر دیا جائے تو اصل داغ کہاں لگے گا! جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات اقدس پر.......... یہ صحابہؓ کون ہیں! یہ تو جناب محمدؐ کی تربیت کا شاہکار ہیں۔ حضورؐ کی دعوت، تعلیم، تلقین، تربیت اور تزکیہ کے اعلیٰ ترین نمونے کون ہیں! یہ صحابہ کرام ہیں رضوان اللہ ...... درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ تو انہی صحابہؓ ہی سے تو پہچانے جائیں گے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر آپ کسی سکول کی ایک عام کلاس میں جاتے ہیں اور اگر کلاس کا نتیجہ اچھا ہے تو آپ اس کا کریڈٹ کس کو دیں گے! کامیابی کا سہرا کس کے سر پر باندھیں گے! استاد کے سر پر..... لیکن اگر کلاس کا رزلٹ بحیثیت مجموعی خراب آرہا ہے تو آپ کس کو موردالزام ٹھہرائیں گے! استاد کو..... تو معاملہ درحقیقت یہ ہے کہ ع

"ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں"

کوئی چاہے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کی سیرت کو داغدار کرے چاہے علیؓ کی سیرت کو داغدار کرے، بات تو ایک ہی ہے۔ چاروں اسی درخت کے پھل ہیں۔ چاہے ادھر سے تیر چلا دو چاہے ادھر سے تیر چلا دو۔ وہ تیر پہنچے گا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر۔ ہاں یہ مکر و فریب ہے، یہ ہوشیاری اور چالاکی ہے، یہ ذہانت و فطانت ہے کہ اگر براہ راست حضورؐ کی ذات کو ہدف بنائیں گے تو یقیناً خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ یہ بڑی اچھی ترکیب عبداللہ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے سوچی کہ ذرا نیچے اتر کر صحابہؓ کی سیرتوں کو مشکوک بنا دو زد کہاں پڑے گی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر۔ لہٰذا جو شخص بھی یہ کام کرتا ہے کہ چاہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سیرت پر حملہ کرے چاہے وہ عثمانؓ اور علیؓ کی سیرت کو داغدار کرے، چاہے حضرات حسنین اور حضرت معاویہؓ کی سیرت کو داغدار کرے۔ بات تو حضورؐ کی ذات تک پہنچے گی۔ لہٰذا خود کو سنی کہنے والا جو شخص بھی ان حضرات کرامؓ میں سے کسی کی ذات پر حملہ کرے گا۔ ان کی نیتوں پر کسی شک کا اظہار کرے گا۔ ان کے بارے میں وہ الزام تراشی کرے گا میرے نزدیک اسے سنّی کہلانے کا قطعی حق نہیں ہے۔ چونکہ جو بھی یہ کام کرتا ہے وہ گویا آلہ کار بن رہا ہے حضورؐ اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے دشمنوں کا۔ مسئلہ کے اس پہلو کی اہمیت کی وضاحت کے لئے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث کا ایک حصہ سنا کر آگے بڑھوں گا۔ یہ وہ حدیث ہے جو عموماً خطبات جمعہ میں بھی پڑھی جاتی ہے حضورؐ نے فرمایا۔

اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فبغضی ابغضھم و من اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ ومن اذی اللّٰہ فیوشک ان یاخذہ

"میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو' ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ بس جس شخص نے ان کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو عنقریب وہ (اس جرم میں) پکڑا جائے گا۔"

حضرتِ علیؓ کا مزاج اور مقام

اب آیئے اس طویل بحث کی طرف جو میں نے "مزاج" کے بارے میں ابتدا میں کی ہے۔ آپ بھی جاننا چاہتے ہوں گے کہ میں نے جو "مزاج" بیان کیے ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس مقام پر سمجھتا ہوں۔ اب آپ توجہ سے میری بات سنیے انشاء اللہ پوری بحث کا سرا آپ کے ہاتھ میں آ جائے گا۔ میرے نزدیک صحابہ کرامؓ میں " AMBIVERT " شخصیت حضرت علیؓ کی ہے۔ جامع الصفات شخصیت جن کے اندر وہ دونوں رنگ موجود ہیں صدّیقیّت کا بھی شہادت کا بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا ایک عکس جامعیّت کے ساتھ آپ کو حضرت علیؓ میں نظر آئے گا۔

شیرِ خداؓ کی شجاعت

حضرت علیؓ میں کمال درجہ کی شجاعت اور بہادری ہے اور صرف چھپی ہوئی نہیں ہے بلکہ ظاہر و باہر ہے۔ حضرت ابو بکرؓ یقیناً بہت شجاع تھے۔ اس خطبہ کے الفاظ کو یاد کیجئے جو حضرت علیؓ نے صدیق اکبرؓ کے انتقال پر دیا تھا۔ کہ "اے ابابکرؓ! ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تم تھے۔ وہ تم تھے جو بدر کی شب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ پر پہرا دے رہے تھے اور اللہ نے اپنے پیارے رسول کی غارِ ثور اور اثنائے سفر ہجرت کی رفاقت کے لئے تمہیں منتخب فرمایا تھا۔" اگرچہ حضرت ابو بکرؓ کی شجاعت کا ظہور نہیں ہوا۔ آں جنابؓ کا کسی پہلوان سے مقابلہ کا کوئی ذکر سیرت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ ارادہ اور عزم کی بات اور ہے کہ جب آپؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے جو غزوہ بدر تک ایمان نہیں لائے تھے بعد میں ایمان لائے ہیں 'صحابی ہیں' آپؓ سے کہا تھا کہ اباجان' بدر میں آپؓ میری تلوار کی زد

میں آگئے تھے لیکن میں نے آپؓ کا لحاظ کیا اور اپنا ہاتھ روک لیا۔ جواب میں ابو بکرؓ فرماتے ہیں۔ "بیٹے' تم نے یہ اس لئے کیا کہ تم باطل کے لئے لڑ رہے تھے۔ خدا کی قسم اگر تم میری زد میں آجاتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا"۔ اسی عزیمت' اسی قوت ارادی اسی استقامت اور اسی شجاعت کے جوہر کا اظہار اس وقت ہوا جب حضرت عمر فاروقؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ نے آپؓ سے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد کہا تھا کہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف فی الوقت محاذ نہ کھولئے چونکہ مسلمانوں کی بیشتر افواج فتنۂ ارتداد کی سرکوبی میں مصروف تھیں جو بڑے پیمانے پر عرب کے بعض علاقوں میں پھیل گیا تھا تو اس پیکرِ عزیمت نے کہا تھا کہ خدا کی قسم اگر مجھے یہ یقین ہو کہ کتے میری لاش کو نوچ کھسوٹ ڈالیں گے تب بھی میں ان مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام سے باز نہیں آؤں گا اور ان کو جب تک نہیں چھوڑوں گا کہ اگر وہ حضورؐ کے زمانے میں زکوٰۃ میں اونٹ کے ساتھ رسی بھی دیتے تھے تو اب بھی رسی نہ دیں۔ کسی نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں اکیلا جہاد کروں گا۔ لیکن اسے چھپی ہوئی شجاعت کہا جائے گا۔ یہ اس طرح ظاہر نہیں ہوئی جیسے میدان جنگ میں حضرت حمزہؓ کی شجاعت اور حضرت عمرؓ کی بہادری کا ظہور ہوا۔ حضرت عمرؓ کی وہ بات یاد کیجئے جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے وقت کہی۔ آپؓ نے پہلے کعبہ کا طواف کیا اور پھر اعلان کیا کہ میں مدینہ ہجرت کر رہا ہوں' جس کی خواہش ہو کہ اس کی ماں اس کو روئے' آئے اور میرا راستہ روک لے۔ سب کے سب مشرک دم بخود رہ گئے۔ یہ بات حضرت ابو بکرؓ میں آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ میں یہاں ایک بات اور بھی عرض کر دوں ۔لیکن خدارا میری بات کو غلط مفہوم میں نہ لیجیئے گا ۔ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ حضورؐ نے کسی سے دوبدو مقابلہ کیا اور جنگ کی! کہیں ہے اس کا ریکارڈ! لیکن بلا ریب و شبہ ساری نوعِ انسانی میں اشجع سب سے زیادہ بہادر ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر شجاعت کوئی اعلیٰ وصف ہے اور یقیناً ہے تو کیا وہ سب سے بڑھ کر حضورؐ میں نہیں ہوگی! ہے یقیناً ہے اور اس کا ظہور ایک موقع پر ہوا بھی ہے۔ وہ موقع ہے غزوہ حنین کا جب ایک عام بھگدڑ مچ گئی لوگ منتشر ہو گئے۔ حضورؐ اس وقت اپنی سواری سے اترے علم اپنے دست مبارک میں لیا اور یہ رجز پڑھا اور زندگی میں شاید پہلی بار پڑھا

انا النبی لا کذب　　　انا ابن عبدالمطلب

میرا گمان ہے کہ یہ رجز حضورؐ نے فی البدیہ پڑھا ہے اور گویا یہ واحد شعر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں کہا ہے۔ بہرحال اس وقت شجاعت سامنے آئی ہے۔ تو ایک شجاعت چھپی

ہوئی ہوتی ہے۔ ایک ہوتی ہے ظاہر وباہر شجاعت۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت صرف چھپی ہوئی نہیں ظاہر وباہر شجاعت ہے۔ نمایاں شجاعت ہے۔ وہ شجاعت جو بدر میں ظاہر ہو رہی ہے جب کہ شیبہ ابن ربیعہ اور ولید ابن عتبہ ابن ربیعہ یہ دونوں حضرت علیؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ پھر آپؓ کی تلوار نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمنِ ہستی کو جلا دیا۔ غزوۂ احد ہے کہ جس میں حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے بڑھ کر انؓ کے ہاتھ سے علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ لڑے اور چند صحابیوں کے ساتھ مل کر مشرکین کا رخ پھیر دیا جو حضورؐ کی طرف یلغار کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر اسی شجاعت کا ظہور ہوا ہے ۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقع پر......... چند کفار کبھی کبھی گھوڑوں پر سوار خندق میں گھس کر حملہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حملہ آوروں میں عمرو بن عبدود بھی شامل تھا پورے عرب میں مانا ہوا بہت بڑا پہلوان۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس کی تھی لیکن پورے عرب میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے مقابلہ کی جرأت کر سکتا ہے! اس نے مبارزت طلب کی اور نعرہ لگایا کہ ہے کوئی جو میرا دو بدو مقابلہ کرے! اس وقت حضرت علیؓ مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ وہ ہنسا اور بولا تم میرا مقابلہ کرنے آئے ہو! نام کیا ہے! اس نے بڑا استہزائی انداز اختیار کیا اور کہا کہ میری عادت رہی ہے جب میرا کسی سے مقابلہ ہوتا ہے تو اس کی تین خواہشوں میں سے ایک ضرور پوری کرتا ہوں۔ بولو تمہاری کیا خواہش ہے! حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری اولین خواہش ہے کہ تم ایمان لے آؤ۔ اس نے کہا کہ اس کا کوئی سوال نہیں۔ حضرت علیؓ بولے کہ میری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم میدان جنگ سے واپس چلے جاؤ۔ وہ ہنسا اور بولا' یہ بزدلی کا کام میں کروں! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی نے فرمایا تو پھر تیسری خواہش ہے کہ آؤ مقابلہ کرو تاکہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ یہ حضرت علیؓ کی ذہانت و فطانت کا بھی مظہر ہے کہ آں جنابؓ نے پہلے اس کو حکمت کے ساتھ دعوت حق دی پھر دعوتِ مقابلہ۔ لیکن اس بدبخت کے نصیب میں ایمان کی سعادت نہیں تھی۔ وہ بھونچکارہ گیا یہ پہلی بار ہوا ہے کہ میرے منہ پر کوئی مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے۔ پھر وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا۔ تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد حضرت علیؓ کی تلوار نے اس کو واصل جہنم کر دیا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ یہاں یہودیوں کے سات قلعے تھے۔ چھ تو فتح ہو گئے آخری قلعہ قموص زیادہ سخت ثابت ہوا۔ پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر کے لئے مامور ہوئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ حضورؐ نے

فرمایا کہ کل ایک ایسے بہادر کو عَلم دوں گا جو خدا کا اور رسول کا محبوب ہے۔ اور اس قلعہ کی فتح اسی کے لئے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر جان نثار متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر کی زینت بنے۔ حضورؐ نے دفعتاً حضرت علیؓ کو پکارا۔ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضورؐ نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا جس سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ پھر علم مرحمت فرمایا۔ اس قلعہ کا سردار مرحب نامی یہودی تھا جو فنون حرب میں یکتا و یگانہ شمار ہوتا تھا۔ جثہ کے لحاظ سے بھی بڑا جیم و ضخیم تھا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا حضورؐ کیا میں قلعہ والوں کو قتل کر دوں! حضورؐ نے اس موقع پر وہ تاریخی جملے فرمائے کہ نہیں علیؓ پہلے اسلام پیش کرو' ان کو سمجھاؤ کیونکہ تمہاری کوششوں سے اگر ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھری ہوئی وادی سے بہتر ہے۔ اس حدیث شریف کے آخری حصہ کے الفاظ یہ ہیں۔ "لِاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْکَ رَجُلاً وَاحِداً خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ"

حضرت علی نے جب قلعہ قموص کا محاصرہ کیا تو مرحب آہن پوش ہو کر ہتھیار سجا کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ متکبرانہ رجز پڑھتا ہوا مبارزت کے لئے نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب
شاکی السلاح بطل مجرب
اذا الحروب اقبلت تلھب

خیبر مجھے جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں جب میرے سامنے جنگ کی آگ بھڑکتی ہے
مسلح پوش " بہادر اور تجربہ کار ہوں

فاتح خیبر نے جواب میں یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرا
کلیث غابات کریھۃ المنظرا
او فیھم بالصاع کیسل السندرا

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا
میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کرتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد آپؓ نے قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو فتح کر لیا۔ غزوہ حنین میں ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔

شعروادب اور فصاحت وبلاغت

اب جبکہ حضرت علیؓ کے ایک رجز کا ذکر آ گیا تو عرض کرتا چلوں کہ جہاں آپؓ میں ظاہرو باہر شجاعت کا جوہر موجود ہے اور قوائے عملیہ انتہائی چاق وچوبند ہیں۔ جن کے ظہور کے چند واقعات میں نے آپ کو سنائے وہاں حضرت علیؓ شعروادب میں اونچا مقام رکھتے ہیں آپؓ فصاحت و بلاغت کی معراج پر ہیں۔ عام طور پر جو لوگ شجاع اور مرد میدان ہوتے ہیں' ان میں شعروادب اور فصاحت و بلاغت کا ذوق بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن اس بحر کے بھی شناور ہیں حضرت علیؓ...... یقیناً افصح العرب ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضورؐ کا اپنا قول ہے انا افصح العرب۔ لیکن حضورؐ کے بعد خطابت' فصاحت و بلاغت اور شاعری میں میرے مطالعہ کے مطابق صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؓ کے آس پاس آنے والا کوئی اور نہیں ہے۔ حضرت علیؓ گنتی کے چندان صحابہؓ میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے پھر عربی گرائمر کے موجد حضرت علیؓ ہیں۔ علم نحو کے ابتدائی اصول آپؓ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت علیؓ کے اشعار پڑھیے۔ آج بھی انسان وجد میں آتا ہے کتنے حکیمانہ اشعار ہیں۔ ان میں کتنی بے ساختگی ہے۔

يَغُوْصُ البحرمَنْ طَلَبَ اللآلیٔ
وَ مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللیالی
وَ مَنْ طَلَبَ العُلٰی مِنْ غَيْرِ کَدٍّ
اَضَاعَ الْعُمُرَ فِیْ طلَبِ المُحَالی

جو کوئی بھی موتی چاہتا ہے اسے تو سمندر میں غوطہ لگانا ہی پڑتا ہے۔ جو شخص زندگی میں کوئی اونچا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے اسے راتوں کو جاگنا ہی پڑتا ہے۔ جو کوئی بلندی بھی چاہے اور محنت نہ کرے وہ شخص اپنی عمر کو ضائع کر بیٹھتا ہے ایک محال شے کی طلب میں"

تقریر و خطابت

شاعری کے علاوہ تقریر و خطابت میں بھی حضرت علیؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ مشکل سے مشکل مسائل اور موضوعات پر فی البدیہہ تقاریر فرماتے تھے جو نہایت خطیبانہ' مدلل اور موثر ہوتی تھیں۔ آپؓ کے خطبات' اشعار اور حکیمانہ اقوال نہج البلاغہ کے نام سے چار جلدوں میں آج بھی موجود ہیں۔ ان

(باقی صفحہ ...)

موجودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا طریقِ کار

انقلابِ نبویؐ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطباتِ جمعہ کا سلسلہ

ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن

(تیسری قسط)

قرآن و سُنّت کی روشنی میں انقلابی تربیّت و تزکیہ

حضرات گذشتہ خطاب میں ہم کتاب اللہ اور سنت و سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں انقلاب کے آخری مرحلے یعنی مسلّح تصادم اور دورِ جدید میں اس کے متبادل اقدام کے بارے میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اور موجودہ دور میں مسلمانوں کی حکومتوں کے خلاف اقدام کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ ایک اسلامی انقلابی جماعت تربیت و تنظیم کے مرحلوں سے گذرنے اور مناسب عوامی حمایت حاصل ہونے کے بعد اقتدار کی حریف یا حریص بنے بغیر، مسلح تصادم کے بجائے "نہی عن المنکر بالید" کے اسلامی فریضے کو ادا کرنے کے لئے حکومت کے خلاف مظاہرے اور احتجاج کے ان تمام مروج و معروف طریقوں کو استعمال کرے گی جنہیں متمدن دنیا کے عوام اپنے سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ مظاہرے اور احتجاج انتہائی منظم اور پر امن ہوں گے۔ ان میں تمام اسلامی اصولوں اور اخلاقیات کی پابندی کی جائے گی۔ مظاہرین اپنی جانیں تو دے دیں گے لیکن کسی کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

اب ہم ان بنیادی شرائط اور لازمی خصوصیات و صفات پر بحث کریں گے جو ایک جماعت کو انقلابی جماعت بناتی ہیں اور اسے اقدام کے مرحلے تک پہنچنے کے قابل بناتی ہیں۔

حزب اللہ اور اسکی صفات

دورِ جدید کی اصطلاح میں جس جماعت کو ہم اسلامی انقلابی جماعت کے نام سے پکارتے ہیں قرآن اسے حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی یا اللہ کی جماعت کا خطاب دیتا ہے قرآن مجید میں "حزب اللہ" کی اصطلاح دو مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ ایک سورہ مائدہ میں اور دوسرے سورۂ مجادلہ میں۔ سورہ مائدہ میں حزب اللہ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ○ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ○ وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ ○

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا' جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے' جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے اسے معلوم ہو کہ "اللہ کی

جماعت" ہی غالب رہنے والی ہے۔ (سورہ مائدہ۔ آیت ۵۴ تا ۵۶)

اصل مسئلہ ان صفات کی حامل جماعت کی تیاری ہے۔ کیونکہ ایسی جماعت وجود میں آئے گی تب اقدام کا مرحلہ آئے گا۔ اگر انقلابی جماعت ان خصوصیات کی حامل نہ ہوئی اور اس نے اقدام کر دیا تو اس کے اقدام کے نتیجے میں ایک ہنگامہ ہو گا ایک وقتی سی شورش بپا ہو گی' کوئی مثبت اور پائیدار تبدیلی وجود میں نہیں آئے گی۔

انقلابی جماعت کی تربیّت اور تزکیّہ

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایک انقلابی جماعت تیار کی اور اس کے ذریعے ایک کامل و اکمل انقلاب برپا کر کے دکھایا' اس لئے جماعت کی تیاری و تشکیل کے ضمن میں بھی رہنمائی کا اصل اور بنیادی منبع قرآن و سنتِ رسول اور سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ ہر دور میں ایک اسلامی انقلابی جماعت اور تحریک کو اسی سرچشمہ فیض سے رہنمائی حاصل کرنا پڑے گی۔ اگرچہ جماعت کی تیاری کا پہلا مرحلہ انقلابی دعوت کی تبلیغ و اشاعت دوسرا مرحلہ دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تنظیم اور تیسرا مرحلہ ان کی تربیت اور تزکیہ ہے لیکن چونکہ ہماری گفتگو کا آغاز ہی انقلاب کے آخری مرحلے یعنی تصادم یا اقدام سے ہوا ہے اس لئے یہاں بھی گفتگو الٹی تربیت سے ہی چلے گی یعنی پہلے ہم جماعت کی تربیت اور تزکیے کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ آیا اس وقت ہمارے معاشرے میں دینی تزکیہ اور تربیت کے جو تصورات اور طریقے رائج ہیں' ان سے کام چل جائے گا یا من و عن تزکیہ اور تربیت کا وہی نظام اختیار کرنا ہو گا جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔ ایک جملہ میں تو یہ سمجھ لیجئے کہ میری فکر اور میری سوچ کا حاصل یہ ہے کہ اس معاملہ میں سرِ مو فرق نہیں ہو گا۔ ہمیں بالکل وہی نظام اختیار کرنا ہو گا جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔ لیکن اس اجمال سے کام نہیں چلے گا بلکہ مجھے بتانا ہو گا کہ ہمارے ہاں تزکیہ و تربیت کا جو خانقاہی نظام رائج ہے وہ انقلابی کام کے لئے مفید ہے یا مضر در اصل وہ بالکل ایک مخالف سمت میں لے جانے والا نظام ہے۔ وہ

انقلابی راہ پر پیش قدمی کے لئے لوگوں کو تیار ہی نہیں کرتا۔ اگرچہ میں نے نہایت سخت بات کہہ دی ہے۔ لیکن خدارا اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے کہ میں خانقاہی نظام کو خیر سے خالی سمجھتا ہوں۔ اس میں خیر ہے' بھلائی ہے لیکن یہ خیر اور بھلائی انقلاب کی طرف لے جانے والی نہیں ہے۔ اسلامی انقلاب لانے اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے جو صفات مطلوب ہیں' خانقاہی نظام وہ صفات پیدا نہیں کرتا۔ اس نظام کے ذریعہ سے للّٰھیت پیدا ہوتی ہے' روحانیت پیدا ہوتی ہے' انسان کو کشف بھی ہونے لگتا ہے۔ لیکن اسلامی انقلاب کے لئے جو جوشِ جہاد' ذوقِ شہادت اور انقلابی جذبہ در کار ہے' وہ کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔

تحریکِ شہیدین کی مثال

ماضی قریب کی تاریخ میں سید احمد بریلوی ؒ شہید اور شاہ اسماعیل ؒ شہید نے اپنی تحریک میں تربیت و تزکیہ کے اس نظام کو از سرِ نو اختیار کیا جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔ میں اپنا یہ تاثر بارہا بیان کر چکا ہوں کہ جماعتی شکل میں تقویٰ' تدین' خلوص و اخلاص اور جوشِ جہاد و ذوقِ شہادت کا اتنا عظیم سرمایہ مجھے دورِ صحابہ کے بعد اسلامی تاریخ میں کہیں اور نظر نہیں آتا۔

انقلابی اور خانقاہی تربیت کا فرق

دیکھئے ایک انقلابی دعوت و تبلیغ اور خانقاہی یا مذہبی دعوت و تبلیغ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مذہبی تبلیغ کی نمایاں ترین مثال عیسائیوں کی تبلیغ ہے۔ یہ نمایاں ترین مثال اس لئے ہے کہ موجودہ عیسائیت میں قانون ہے ہی نہیں۔ اس میں کوئی شریعت ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اس میں نظام والی بات کہاں سے آئے گی! یہ صرف ایک عقیدہ ہے یا اس میں کچھ اخلاقی تعلیمات ہیں۔ چنانچہ عیسائیت کی تبلیغ کا مطلب ہے ایک عقیدہ کی تبلیغ..... اس کے لئے عیسائیت کے مبشرین' مبلّغین اور پادریوں نے بڑی بڑی مشقتیں اور محنتیں کی ہیں۔ وہ صحراؤں میں پہنچے ہیں' افریقہ اور جنوبی افریقہ کے گھنے جنگلات میں گئے ہیں۔ آدم خور قبائل تک رسائی حاصل

کی ہے۔ عیسائی مبلغ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ایسی ایسی جگہوں تک پہنچے ہیں کہ جہاں کسی مہذب انسان کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا۔ سرد ممالک سے آئے ہوئے مبلغین نے خود ہمارے ملک میں تھر اور سندھ کے ریگزاروں میں بیٹھ کر سخت ترین گرمی کو برداشت کیا ہے۔ لیکن چونکہ ان کے سامنے کوئی نظام قائم کرنا نہیں تھا۔ اس لئے وہ صرف اپنے عقیدے کی تبلیغ کر کے رہ گئے کوئی تحریک برپا نہیں کر سکے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک بیل ہوتی ہے' جو زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ خربوزے کی بیل ہو' کدو کی بیل ہو وہ زمین پر ہی پھیلے گی اسے درخت کی طرح اوپر اٹھنا ہی نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں انقلابی تبلیغ کی مثال کیمونزم کی تبلیغ ہے۔ یہ نئے نظریات کی نشرو اشاعت ہے نئے خیالات کا پرچار ہے۔ اس میں لوگوں کو ہم خیال بنانا ہے' مارکسزم کو ان کے ذہن و فکر میں اتارنا ہے' انہیں نئے نظریئے کا علمبردار اور پرچارک بنانا ہے۔ اس تبلیغ کا مقصود و ہدف انقلاب ہے۔ پرانے نظام کو توڑ کر نئے نظام کو قائم کرنا ہے۔ ان دونوں تبلیغوں کے فرق اور نوعیت کو ذہن میں رکھئے انقلابی تبلیغ درخت کی طرح اوپر اٹھتی ہے۔ اور مذہبی تبلیغ بیل کی طرح زمین پر پھیلتی ہے۔ انقلابی تربیت و تزکیہ اور خانقاہی تربیت و تزکیہ میں اسی نوع کا فرق ہے۔ اسے زمین و آسمان کا فرق کہہ لیں تو اس میں مبالغہ نہیں ہو گا۔ لیکن ان کے اجزائے ترکیبی باہم بہت کچھ مل گئے ہیں۔

انقلابی تربیّت کے تین اہم اجزاء

اسلامی انقلاب کی جدوجہد سے قطع نظر کسی بھی انقلابی جدوجہد کے لئے انقلابی جماعت کو تیار کرتے ہوئے اس کی تربیت میں تین امور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم یہاں ان تینوں اجزاء کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

نظریہ کا شعور اور محبت

انقلابی تربیت میں اہم ترین شے انقلابی نظریہ کو ذہنوں میں اتارنا اور اسے ہر دم تازہ رکھنا ہے جتنی اس نظریہ کے ساتھ محبت، وابستگی اور ہم آہنگی گہری ہوتی چلی جائے گی اتنا ہی جذبہ زیادہ بڑھے گا۔ کسی وجہ سے وہ محبت، وابستگی اور ہم آہنگی کم ہو گئی یا ذہن میں اس پر کوئی گرد و غبار آ گیا، تو اسی نسبت سے.. انقلابی جذبہ بھی سرد پڑ جائے گا۔ لہٰذا انقلابی تربیت میں مقدم ترین شے یہ ہے کہ شعور کی سطح پر انقلابی نظریہ کو تازہ اور مضبوط رکھا جائے تاکہ شعور پر اس کی گرفت ڈھیلی نہ ہونے پائے۔ کیونکہ اگر انقلابی نظریہ سے ذہنی اور شعوری محبت میں کمی آ گئی یا رشتہ کمزور پڑ گیا تو گویا ساری انقلابی تربیت اور انقلابی عمل کی بنیاد ڈھ جائے گی۔ پس مقدم کام یہ ہے کہ انقلابی نظریہ ذہن و شعور کی سطح پر مضبوطی کے ساتھ برقرار رہے اور فکر و نظر میں اس کی گہرائی اور گیرائی بڑھتی چلی جائے جس قدر بصیرت کے ساتھ انقلابی نظریہ پر یقین بڑھتا چلا جائے گا اسی قدر اس نظریہ کے لئے قربانی کا جذبہ بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی بات سورہ یوسف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوائی گئی ہے کہ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؁ اے نبی کہہ دیجئے کہ "میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی رابطہ نہیں۔

صبر و استقامت اور قربانی

انقلابی تزکیہ اور تربیت کا دوسرا اہم جزو صبر و ثبات اور استقامت ہے۔ انقلابی نظریہ کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ میں ابتلاو شدائد، مصائب و مشکلات اور تکالیف اور مظالم سے ضرور نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ جان دینے کے مرحلے بھی آتے ہیں فقر و فاقہ کی نوبت بھی آتی ہے۔ خود قرآن کا فرمان ہے کہ تمہیں آزمائش میں ڈالے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں کیا جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ "ہم ضرور تمہیں خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال' کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو" (سورہ بقرہ آیت۔ ۱۵۵) وہ مرحلہ بھی آسکتا ہے کہ اپنی محنتوں کے ثمرات کو انسان اپنی نگاہوں کے سامنے اجڑتا دیکھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر یہ مرحلہ پوری شان کے ساتھ آیا۔ محنت سے سینچی ہوئی کھیتیاں تیار تھیں۔ کھجوریں درختوں پر پک چکی تھیں کھیتیاں کاٹنے اور کھجوریں اتارنے میں کچھ ہی دن باقی تھے کہ حکم آیا۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
"نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ"
(سورہ توبہ آیت۔ ۴۱) اور جانا بھی کہاں ہے! سلطنت روما سے ٹکراؤ ہے۔ !نفیر عام ہے' ہر تندرست مسلمان کو نکلنا ہے۔ عورتیں' بچے" ضعیف و مریض کھجور کی فصل نہیں اتار سکتے' صاف نظر آرہا ہے فصل درختوں پر ہی تباہ ہو جائے گی۔ لیکن حزب اللہ کو مزید قربانی وایثار کے لئے تیار کیا جارہا ہے۔

اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ انسان کے حیوانی داعیات ہی اس کی کمزوری کا سبب بنتے ہیں۔ اگر آپ بھوک برداشت نہیں کر سکتے تو کسی اعلیٰ مقصد کے لئے سرفروشی کیسے کریں گے !اگر آپ راتوں کو جاگ نہیں سکتے تو اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے جدوجہد میں اپنی نیندیں کیسے حرام کریں گے۔ اگر آپ مال و دولت کی محبت بلکہ ہوس اپنے دل سے نہیں نکال پھینکتے تو کسی وقت کوئی لالچ آپ کے قدم ڈگمگا دے گا۔ جب کسی نظریہ کا کسی نظریہ سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ کشاکش اور کشمکش ہوتی ہے تو صرف تشدد نہیں ہوتا بلکہ ترغیبات (TEMPTATIONS) کے جال بھی پھینکے جاتے ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداران قریش کی طرف سے پیشکش کی گئی تھی کہ:

"آپ بادشاہ بننا چاہیں تو گو ہم بادشاہت کے عادی نہیں ہیں لیکن

ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں اگر آپ کو مال و دولت درکار ہے تو اشارہ کر دیجئے ہم آپ کے قدموں میں سیم و زر کے ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر آپ کو دوسری شادی کرنی ہے تو اشارہ کیجئے جس گھرانے میں آپ شادی پسند کریں اس میں آپ کی شادی کرادیں گے لیکن اس دعوت سے باز آجایئے جو لے کر آپ کھڑے ہو گئے ہیں"

یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپؐ اللہ کے رسول تھے اور اللہ کی طرف سے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے مامور تھے حضور کے بارے میں قریش کی ان ترغیبات سے کوئی اثر لینے کا سان و گمان بھی ہمارے لئے حبطِ ایمان و اعمال کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن ان ترغیبات سے دین کی دعوت پیش کرنے والے ہر شخص کو سابقہ پیش آئے گا کیونکہ جب حق و باطل کے درمیان کشاکش و کشمکش کا رن پڑتا ہے تو باطل کی طرف سے کوشش ہوتی ہے کہ ایک ایک کو توڑ لیا جائے۔ یہ نہ ہو سکے تو کسی نہ کسی طریقہ سے غیر جانب دار کر لیا جائے تاکہ وہ اس کی آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا نہ ہو اور حق کی اعانت اور تقویت کا باعث نہ بنے اس لئے حق کا ساتھ دینے والوں کے لئے یہ ترغیبات بھی ہوں گی ان کو طرح طرح کے لالچ بھی دیئے جائیں گے۔ اگر اہل حق کے دلوں سے مال و دولت اور لذات دنیوی کی محبت کھرچ کھرچ کر نہ نکالی گئی ہوئی ہو تو یہ خطرہ کا وہ مقام ثابت ہو سکتی ہے جہاں سے باطل حق کی جدوجہد پر شب خون مار سکتا ہے جب تک انقلابی پارٹی کے ہر رکن میں یہ وصف نہیں ہو گا کہ نفس کے سارے تقاضوں کے مقابلے میں انقلاب کی آرزو' تمنا اور خواہش بالاتر ہو جائے۔ نفس کا کوئی تقاضا اس کے راستہ میں آکر رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس وقت تک وہ صحیح انقلابی کارکن نہیں بن سکتا۔ بقول حضرت اقبال ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا ایک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

یہ شکل اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ انسان نفس کے تقاضوں پر کنٹرول حاصل کرے۔

تاکہ انقلابی جدوجہد کے راستہ میں نفس کی کوئی خواہش آڑے نہ آسکے۔

مضبُوط قوّتِ ارادی

انقلابی تزکیہ و تربیت کا تیسرا اہم جز عزم اور ارادے کی مضبوطی ہے۔ جب کشاکش اور کشمکش کے دوران تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں تو اس وقت مضبوط قوت ارادی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ اپنے نفس کے تقاضوں کے مقابلے میں انسان قوی ہو جائے اور دوسرا یہ کہ کسی بڑی سے بڑی مصیبت اور ابتلا میں اس کی ہمت جواب نہ دے مصائب کے مقابلہ میں انسان آہنی دیوار بن جائے اور کوہ ہمالیہ کی طرح قائم رہے۔

انقلابی تربیت و تزکیہ اور سنّت نبویؐ

اب دیکھئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انقلابی جماعت کا جو تزکیہ اور تربیت فرمائی اس میں یہ چیزیں کس طرح سموئی ہوئی ہیں۔ !

قرآن سے تعلق

سب سے پہلی چیز قرآن مجید کے ساتھ کامل شعوری تعلق ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کامل شعوری تعلق کی جگہ تلاوت قرآن نے لے لی ہے بلاشبہ تلاوت قرآن ثواب کا کام ہے اور یقیناً اس سے ایک طرح کی روحانیت بھی پیدا ہو جائے گی، لیکن جو چیز انقلاب کے لئے ضروری ہے وہ قرآن کے فکر، حکمت اور فلسفہ کے ساتھ شعوری ہم آہنگی ہے۔ اگر قرآن کے فطری استدلال اور بدیہی محا کمہ نے آپ کے ذہن و شعور پر کامل تسلط حاصل نہیں کر لیا تو انقلابی تزکیہ اور تربیت کی طرف آپ کا پہلا قدم بھی نہیں اٹھے گا۔ کیونکہ اسلامی انقلاب کا اصل نظریہ توحید ہے اور اس نظریہ کا بنیادی لٹریچر قرآن ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ انقلابی جماعتوں میں انقلابی نظریہ پر مشتمل لٹریچر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہفتہ وار اجتماعی مطالعہ اور مذاکروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ انقلابی لٹریچر کے مطالعہ سے

عزم وارادے اور انقلابی داعیے کو تازہ کیا جاتا ہے۔ روس کے انقلاب پر غور کیجئے۔ یہ کیسے آیا! یہ اس صورت میں آیا کہ جو لوگ اس کو لانے والے تھے یعنی کمیونسٹ انقلابی پارٹی کی جو اعلیٰ لیڈر شپ تھی اور فعال کارکن تھے ان کے اذہان وقلوب پر مارکسٹ فلاسفی کی پوری گرفت تھی اور کارل مارکس کی کتاب "داس کیپٹل" کو ان کے نزدیک ایک مقدس کتاب کی حیثیت حاصل تھی اور وہ اس کتاب کو انقلابی نظریئے کے بنیادی واساسی لٹریچر کے طور پر حرز جان بنائے ہوئے تھے۔

اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ محض تلاوت قرآن سے جو برکات حاصل ہوں گی وہ انقلابی برکات نہیں ہوں گی۔ ان کی بدولت ایک خانقاہی نظام کی طرف پیش قدمی شروع ہو جائے گی۔ انقلابی اسلامی تربیت کے لئے قرآن مجید کے فکر و فلسفہ کے ساتھ شعور کی سطح پر زیادہ سے زیادہ ربط و تعلق بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اور لازم ہے کہ یہ ربط و تعلق بڑھتا چلا جائے۔ اس کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ بصیرت کی کیفیت پیدا ہوتی چلی جائے۔ انسان کو اپنے اندر قرآن کے ذریعے زیادہ سے زیادہ انشراح صدر پیدا ہوتا ہوا محسوس ہونے لگے۔ اسے محسوس ہو کہ میرے ذہن کی ساری گرہیں کھل رہی ہیں۔ میرے سارے عقدے یہاں حل ہو رہے ہیں۔ جیسے جیسے وہ انقلابی جدوجہد آگے بڑھے معلوم ہو کہ مجھے ہر مرحلہ کے لئے ہدایت اور رہنمائی یہاں سے مل رہی ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ اس نوع اور اس درجہ کا تعلق نہیں ہوگا تو سمجھ لیجئے کہ اسلامی انقلابی تربیت کی اولین لازمی ضرورت کا حق ادا نہیں ہوا۔

نماز تہجد اور قرآن

انقلابی تربیت کے لئے سب سے پہلے اور سب سے کڑی مشقت اللہ تعالیٰ نے خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی۔ کیا نزول وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے اندر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اخلاقی اعتبار سے کوئی کمی تھی؟ آپ وحی آنے سے پہلے بھی انسانیت کی معراج پر تھے۔ اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کا جو تصور کیا جا سکتا ہے اس پر تو

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے فائز تھے۔ معاذ اللہ کیا آپؐ کے دل کے اندر کوئی غبار تھا! کوئی میل تھا! نیت میں کوئی کجی تھی! جس کے لئے یہ مشقت آپ پر فرض کی گئی تھی۔ ہم زیادہ سے زیادہ نیک' پارسا' سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کا جو تصور کر سکتے ہیں آپؐ اس سے بھی لاکھوں درجے بلند تھے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھئے اور سوچئے کہ کیا وجہ ہے کہ جب انقلابی عمل کا آغاز ہو رہا ہے تو حضورؐ سے ایسی سخت مشقت کرائی جارہی ہے جس کا حکم سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں ملتا ہے فرمایا!

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○

اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے' رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم' آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو' یا اس سے کچھ بڑھادو' اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

آگے فرمایا۔ اِنَّا سَنُلْقِىْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○ ..... اے نبی! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ انسانیت کی معراج پر فائز ہیں لیکن "ہم عنقریب آپؐ پر ایک بھاری بات کی ذمہ داری ڈالنے والے ہیں" ..... وہ بھاری ذمہ داری کیا تھی! اس کا ذکر سورہ مدثر میں آتا ہے۔

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ○

"اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے! کھڑے ہو جاؤ' اور لوگوں کو اس انجام سے خبردار کرو جس سے ان کو آخرت میں دوچار ہونا ہے اور اپنے رب کی کبریائی بیان کرو" تکبیر کے معنی صرف اللہ اکبر کہنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی کبریائی کو اس زمین پر بالفعل قائم کرنا ہے..... تکبیر رب کی اسی ابتدائی اصطلاح کی توضیحات 'اقامت دین 'اظہار دین الحق 'اعلائے کلمتہ اللہ وغیرہ ہیں اور اسی تکبیر رب کی عملی جدوجہد کو قول ثقیل یعنی بھاری بوجھ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قیام اللیل کی عملی شرح

اللہ نے خود سورہ مزمل کی آخری آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین کی راتوں کی عبادت کی کیفیت و کمیت کا ذکر فرما کر اسے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ آیت قرآن مجید کی طویل ترین آیات میں سے ایک ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط

"اے نبی! آپؐ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ آپؐ بھی اور آپؐ کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ بھی دو تہائی رات اور آدھی رات اور تہائی رات کے قریب ہماری جناب میں کھڑے رہتے ہیں" ......

یہاں پوری رات کے قیام کا ذکر نہیں ہے، لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کی پوری پوری رات قیام میں گزر جاتی تھی۔ پھر حضورؐ کا معاملہ یہاں تک پہنچا ہے کہ آخری دور میں بھی آپؐ راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے رہتے اور بسا اوقات یہ قیام اتنا طویل ہوتا تھا کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ جب آپؐ سے عرض کیا جاتا کہ آپؐ اتنی مشقت کیوں جھیل رہے ہیں! آپؐ کی مغفرت کی تو اللہ تعالیٰ ضمانت دے چکا ہے، تو آپؐ جواب میں فرماتے تھے کہ کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات انہیں شوق ہوا اور وہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ اس شب حضورؐ نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نساء کی تلاوت فرمائی........ جسے قرآن مجید کی ایک منزل کہا جاتا ہے اور جو سوا چھ پاروں کے لگ بھگ ہے۔ .... حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ صورتِ حال دیکھ کر کئی مرتبہ میرا جی چاہا کہ میں نیت توڑ کر چلا جاؤں۔

قیام اللیل میں تلاوت قرآن کی حکمت

غور کیجئے کہ اگر طویل تلاوت قرآن دن کے اوقات میں ہوتی تب بھی بہت مبارک ہوتی لیکن قرآن مجید نے رات کو کھڑے ہونے کی دو حکمتیں بیان کی ہیں۔ ایک حکمت کے لئے

کہا۔ اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلاً ○ "دن کے اوقات میں تو آپؐ کی طویل مشغولیت اور بھاگ دوڑ رہتی ہے...... " دعوت و تبلیغ کا کام آپؐ کو دن ہی میں تو کرنا ہوتا ہے لہٰذا دن میں طویل قیام اور تلاوت سے یہ کام متاثر ہو گا۔ دوسری حکمت یہ کہ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلاً ○ "درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے"۔ نفس کو کچلنے میں سب سے زیادہ موثر رات کا جاگنا ہے اور پھر رات کی تنہائی اور سکون میں قرآن کو اپنی شخصیت کے اندر جذب کرنے کا کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے حکم آیا وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلاً کہ رات کے قیام میں قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیجئے۔

لیکن صحابہ کرامؓ اور ہمارے درمیان اس معاملہ میں اس اعتبار سے فرق واقع ہو جاتا ہے کہ قرآن انؓ کی اپنی زبان میں نازل ہو رہا تھا لہٰذا بغیر سمجھے تلاوت کرنے کا اس دور میں تصور تھا ہی نہیں۔ بغیر سمجھے تلاوت کرنے کا تصور اس وقت پیدا ہوا جب اسلام عرب سے باہر نکلا۔ اس لئے اب شعور کی سطح پر قرآن کو جذب کرنے کے لئے عربی زبان کو سیکھنا بھی بنیادی اہمیت کا کام بن گیا ہے۔ چونکہ قرآن صحابہ کرامؓ کی مادری زبان میں نازل ہو رہا تھا اس لئے یہ حکم قرآن کو ان کے شعور، ان کے فہم، ان کے پورے وجود کے اندر اور ان کے اعصاب کے ریشہ ریشہ میں رچانے اور بسانے کا پہلا حکم تھا۔ اگرچہ سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن اسی سورہ مبارکہ کی آخری آیت کے پہلے حصے وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے ساتھیؓ بھی اسی مشقت میں لگے ہوئے تھے کیونکہ یہ اسلامی انقلابی تربیت کا پہلا قدم تھا اور ہے۔

فرض نماز اور قرآن

تربیت کے اگلے قدم کے طور پر سورہ عنکبوت میں تلاوت قرآن کے ساتھ اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا گیا۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○

"اے نبیؐ تلاوت کرو اس کتاب کی جو آپؐ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز فحش اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی شے ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم لوگ کرتے ہو"

اب یہاں دیکھئے کہ جس طرح قرآن مجید کا ذکر سورہ مزمل میں ہے اسی طرح اس آیت میں بھی ہو رہا ہے لیکن اس کے ساتھ نماز کو قائم کرنے کا حکم بھی آ گیا۔ نبوت کے ابتدائی دور میں صرف رات کی نماز تھی اب پورے دن و رات کی نماز کا نظام شروع کیا جا رہا ہے۔ نماز بذات خود ذکر کی ایک نہایت جامع اور نہایت مؤثر شکل ہے۔ نماز میں قرآن کا پڑھنا لازم ہے سورہ فاتحہ جو نماز کا لبِ لباب ہے........ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ام القرآن' اساس القرآن اور بہت سے ناموں سے موسوم فرمایا ہے'........ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس سے نظریہ ہمارے وجود کے ساتھ ہم آہنگ ہونا شروع ہو جاتا ہے ہم اللہ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں۔ ہم اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں ہم اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے ہیں۔ اللہ کی تعظیم اور اپنے تذلل اور عجز کے اظہار کی یہ ایک عملی شکل ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ جہاں ہمارے اعضاء سے خضوع و خشوع بندگی اور عجز و تذلل کا اظہار ہو رہا ہے وہاں ہماری زبان سے بھی اس کی الوہیت' اس کی عظمت' اس کے جلال' اس کی بڑائی اور کبریائی کا اقرار ہو رہا ہے اس نظام نے ہمارے دن کے اوقات کو اپنی گرفت کے اندر لے لیا ہے۔ جو شخص نماز با جماعت کا پابند ہو جائے گا اس کا پورا نظام الاوقات نماز کے ساتھ بندھ جائے گا وہ جب کسی کو وقت دے گا تو کہے گا فلاں نماز کے بعد ملوں گا کسی سے ملاقات کا وعدہ کرے گا تو نماز کے اوقات ذہن میں رکھ کر کرے گا۔ الغرض انسان شعوری طور پر نماز با جماعت کی اہمیت سمجھتا ہو تو اس کے معمولات کا نظام نماز کے ساتھ جکڑا جاتا ہے۔

یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ اس آیت میں قران اور نماز کو جمع کیا گیا ہے اور یہ دونوں ذکر کی اہم ترین اور جامع ترین شکلیں ہیں۔ قران نے سورہ حجر کی نویں آیت میں خود اپنے آپ کو "الذکر" قرار دیا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ "اس ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں" عربی زبان میں ال کا بالکل وہی مفہوم ہوتا ہے جو انگریزی زبان میں دی۔ THE ۔ کا ہے، ایک ہے 'A MAN' اور ایک ہے "THE MAN'

"THE" دی کے اضافہ سے معنی و مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ یعنی ذکر کی خاص اور بلند ترین صورت اور مکمل ترین صورت قرآن مجید ہے۔

اب آپ دیکھیں جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے نماز پنجگانہ پر زور بھی بڑھ رہا ہے کیونکہ ابتدائی مشقت کو جھیلنا سب کے بس کی بات نہیں۔ کسی انقلابی جماعت کا جو ابتدائی 'NUCLEUS' ـــــــ یعنی مرکز و محور تیار کیا جاتا ہے جو جماعت کا مغز اور عطر ہوتا ہے اور حد درجہ وفادار افراد پر مشتمل ہوتا ہے اس کے لئے جو شدید مشقت درکار ہے وہ بعد میں عام شامل ہونے والے حضرات کے لئے جاری نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اب ترتیب بدل رہی ہے معراج کے واقعہ کے بعد انبوی میں سورہ اسراء نازل ہوئی ہے گویا اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے ہوئے گیارہ برس بیت گئے ہیں اور آپ کی انقلابی جماعت کا ایک 'HARD INNER CORE' تیار ہو چکا ہے اس لئے اب ترتیب بدل گئی۔ سورہ اسراء میں ارشاد ربانی ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا ٥

"نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قران کا بھی التزام کرو۔ کیونکہ فجر کا قرآن مشہود ہوتا ہے"۔

ظہر، عصر، مغرب، عشاء، میں قرآن کی قرات طویل نہیں ہوتی۔ ان میں سے دو نمازیں

یعنی ظہر و عصر تو مکمل طور پر سری ہیں۔ امام خاموشی سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ مغرب کی اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں امام قرآن کی جہری قرأت کرتا ہے اور عام طور پر یہ قرات طویل نہیں ہوتی۔ طویل قرات کو فجر کی نماز کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اس کو نام دیا۔ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ فجر کی نماز میں قرآن کی طویل قرات مطلوب ہے۔ آیت کے اختتام پر فرمایا۔ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا "یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے" ۔ اس کی حدیث میں یہ تشریح کی گئی ہے کہ رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے.......... جن کی رات اور دن کے لئے علیحدہ شفٹیں ہوتی ہیں.......... دونوں فجر کی نماز کے وقت اکٹھے موجود ہوتے ہیں اور وہ نماز میں قرآن پڑھنے اور سننے والوں کے عمل کی گواہی دیتے ہیں اس امر کو مشہود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ !

تہجد کی نوعیت کا فرق

اگلی آیت میں قیام لیل کی طویل اور کڑی مشقت کو نفل کے درجہ میں لے آیا گیا یعنی وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ "اور رات میں بطور نفل نماز تہجد کا اہتمام کیا کرو اس قرآن کے ساتھ" ہمارے ہاں عربی سے ناواقفیت اور کچھ دیگر اسباب کی وجہ سے تہجد میں بھی ایک فرق واقع ہو گیا ہے درحقیقت یہ 'SHIFT OF EMPHASIS' یعنی انتقالِ اہمیت کا مسئلہ ہے۔ فَتَھَجَّدْ بِہٖ کی طرف سے ہماری توجہ ہٹ گئی ہے۔ اس کا حق ادا کرنے میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ تہجد کی آٹھ رکعتیں ہم ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ جو ہمیں یاد ہیں پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ تہجد کا حق ادا ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے طویل اوراد و وظائف کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ اس طرح فتہجد بہٖ کا حق ادا نہیں ہوا۔ اس میں "بہٖ" کی ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ لہٰذا جب تک تہجد کے دوران حالت قیام میں قرآن مجید کی طویل قرات نہ ہو رہی ہو' اس وقت تک یہ وہ تہجد نہیں ہے جو جناب محمدؐ رسول اللہ کا تہجد ہے اور نہ یہ وہ تہجد ہے جو اسلامی انقلاب کے لئے تیار کرے گا۔ یہ تہجد انسان کے اندر ایک روحانیت اور نورانیت تو پیدا کر دے گا لیکن وہ انقلابیت وجود میں نہیں لا سکے گا' وہ جوش و جذبہ

پروان نہیں چڑھا سکے گا جو انقلاب کی کٹھن وادیوں کو عبور کرنے کے لیے درکار ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھئے کہ لفظ تہجد جہد سے بنا ہے جس سے جہاد و مجاہدہ جیسی اہم دینی اصطلاحات وضع ہوئی ہیں۔

نمازِ جمعہ

اب تک ہم نے سورہ مزمل، سورہ عنکبوت اور سورہ اسراء کی چند آیات کے حوالے سے دو باتیں سمجھیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کو شعوری طور پر ذہنوں میں اتارنے کے لئے ابتداء میں رات کے قیام کی مشقت کا اہتمام کروایا گیا اور پھر اقامتِ صلوٰۃ کا مستقل نظام عطا کیا گیا۔ اس کے بعد بڑے پیمانے پر تذکیر بالقرآن کے لئے نماز جمعہ کا مستقل بالشان نظام قائم کیا گیا۔ یہ درحقیقت اسلامی انقلابی جماعت کا ہفتہ وار اجتماع ہے۔ یہ تو ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے اسے ایک رسم کی شکل دے دی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

خطبہ جمعہ کیا ہے! جمعہ کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے! مسلم شریف کی روایت ہے کہ کَانَ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم یقرء آیات من القرآن و یذکّر الناس "حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور اس کی آیات سے لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے، یاددہانی کراتے تھے" --- گویا خطبہ جمعہ کی اصل غایت یہ ہے کہ اگر ہم اپنے انقلابی نظریہ سے غافل ہو رہے ہیں، مصروفیات کی وجہ سے اپنا مقصد یاد نہیں رہا ہے یا اپنے مقصد سے قلبی و روحانی وابستگی کچھ کمزور پڑ رہی ہے تو اس کی تذکیر، اس کی تجدید، اس کی یاددہانی کا بندوبست کیا جائے۔ کوئی نائب رسولؐ، منبر رسولؐ پر کھڑا ہو کر وہی کام کرے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے تاکہ انقلابی فکر کے ساتھ اس جماعت کا بحیثیت مجموعی ذہنی و شعوری رابطہ کمزور نہ پڑے بلکہ تازہ ہوتا رہے اور اس میں زیادہ سے زیادہ گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی چلی جائے۔

انقلابی تربیت میں روزے کا مقام

صوم یعنی روزے کی عبادت عرب میں سرے سے تھی ہی نہیں۔ صلوٰۃ کی بگڑی ہوئی شکلیں ان کے ہاں تھیں، حج بھی تھا، وقوف عرفات بھی تھا صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی تھی، طواف بھی تھا۔ صدقہ خیرات اور جانوروں کی قربانی کا رواج بھی تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن صوم بالکل نہیں تھا۔ صوم کا لفظ وہ ایک خاص کام اور مفہوم و معنی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ عرب جن گھوڑوں کو جنگوں میں استعمال کیا کرتے تھے تربیت کے لئے ان گھوڑوں سے مشقت کراتے تھے ان کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ ان کے منہ پر ایک توبڑا چڑھا دیا کرتے تھے۔ اس عمل کو وہ صوم کہتے تھے اور جس گھوڑے پر یہ عمل کیا جائے اسے صائم کہتے تھے کہ یہ روزے سے ہے۔ یہ عمل وہ اس لئے کرتے تھے کہ اگر گھوڑا بھوک اور پیاس کو جھیل نہیں سکے گا تو ہمارا ساتھ کیسے دے گا! اگر یہ بھوک پیاس کی وجہ سے جی چھوڑ گیا تو اس پر جو سوار ہے اس کی جان تو شدید خطرہ میں پڑ گئی۔ مزید یہ کہ گرم ہوا اور لو کے موسم میں عرب اپنے گھوڑوں کو لے کر میدان میں کھڑے ہوتے تھے، وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے سروں پر ڈھاٹے باندھ کر اور کپڑے وغیرہ لپیٹ کر کھڑے ہوتے تھے لیکن گھوڑوں کا منہ سیدھا ان تھپیڑوں کی طرف رکھتے تھے تاکہ ان کے اندر لو اور باد صرصر کے تھپیڑوں کو برداشت کرنے کی عادت پڑ سکے اور ایسا نہ ہو کہ کبھی گرم لو کے تھپیڑے ان کا رخ پھیر دیں۔ جانا لو کی سمت تھا لیکن گھوڑا ان تھپیڑوں کی وجہ سے کوئی اور رخ اختیار کر گیا یا مطلوبہ رخ پر بڑھنے سے انکار کر گیا۔ عرب اپنے گھوڑوں کو جو یہ ساری مشقت، ورزش، ٹریننگ کراتے تھے اسے وہ صوم کہتے تھے۔ ہمارے دین نے صوم کو ایک قاعدہ اور ضابطہ کے تحت لا کر اسے عبادت کے طور پر ہم پر فرض کر دیا کہ بھوک پیاس کی سختی برداشت کرنے اور نفس کے شہوانی جذبے کو ایک خاص وقت سے لے کر ایک خاص وقت تک قابو میں رکھنے کی مشق ہو جائے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ مکی دور میں ہر مہینہ میں تین دن کے روزے فرض تھے۔ مدنی دور میں رمضان کے پورے مہینہ کے روزے فرض کئے گئے۔

(جاری ہے)

نفاذ شریعت کا سیدھا راستہ

شریعت بل یا فقہ حنفی ؟

تحریر: مولانا سید حامد میاں
امیر جمعیت علمائے اسلام (مولانا فضل الرحمٰن گروپ)

(زیر نظر مقالہ اپریل ۸۷ء کے محاضرات قرآنی کی پہلی نشست میں پڑھا گیا)

آجکل نظام شریعت کے نفاذ کا مطالبہ مختلف عنوانات سے ہو رہا ہے۔ اور اسکی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ کیونکہ آسان اور واضح طریقہ چھوڑ کر ایسا مطالبہ کرنے والوں کو لمبے راستہ پر ڈال گیا ہے۔ سیدھا سادہ راستہ تو یہ تھا کہ جس نے اسلامی نظام کے نام پر حکومت سنبھالی پھر ایک عرصہ کے بعد ریفرنڈم اسلام ہی کے نام پر کرایا جسے سلطان وقت کے اختیارات حاصل رہے اور آج بھی ہیں وہی بیک جنبش قلم آرڈر نافذ کر سکتا تھا کہ عدلیہ شریعت کے مطابق فیصلے دیا کرے۔ لیکن اس شخصیت نے بیشتر ایدلکر یہ ذمہ داری قومی اسمبلی پر ڈالدی، اور اب لوگوں کا رخ اپنی طرف سے ہٹا کر اسمبلی کی طرف کر دیا۔ یُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔

اسی دور میں دینی مسائل پر بے معنی بحثیں چھیڑی گئیں ایسے مسائل جن پر ہمیشہ سے اتفاق امت چلا آرہا تھا۔ موضوع سخن آرائی بنے حتیٰ کہ اسی دور میں یہ بحث بھی چلی کہ "پاکستان" کس لئے معرض وجود میں آیا۔ کیا اقتصادی عوامل اس کا سبب تھے یا مذہبی جذبات۔ غرض طرح طرح کی بولیاں بولی گئیں۔ اور غلط صحیح اور حق و باطل کی تمیز ہی ختم کر دی گئی۔

اصل وجہ

اسکی اصل وجہ ایک تو انگریز کی ذہنی غلامی ہے کہ اپنی عقل ان پر تنقید کے حق میں استعمال کرنے سے قاصر ہیں اور ایک وجہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین و نظام کے نفاذ کے بعد انکی مطلق العنانی متاثر ہو گی لہذا اسلام کا صرف نام ہی لیا جائے اور اسکی عطا کردہ راحت و رحمت کو پس پردہ چھپائے

رکھا جائے ، ورنہ اسلامی قوانین حکمرانوں پر حاوی ہوں گے ۔ جبکہ حکمران یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان پر بھی کوئی اور حاوی ہو ۔

اسمبلی

یہی حال ہماری مقننہ اسمبلی کا ہے وہ چاہتی ہے کہ ہم ہی قانون ساز ادارہ رہیں ۔ ہم جو مناسب سمجھیں قانون بنا دیں ۔ اسلامی قانون کا وجود ہمیں حسب دلخواہ قانون بنانے سے روکے گا لہٰذا اسے نہ آنے دو ۔

یہ ہمارے ملک کے ان حالات کا خلاصہ ہے جو مانع نظام اسلام ہیں ، حکمران اعلیٰ اور ان کی ترتیب دادہ بے اختیار شوریٰ اور پھر بے طاقت اسمبلیاں کچھ اپنی خواہش اور کچھ منبع قوت جو فوج کے انقلابی افراد پر مشتمل ہے کا آج تک چلا آ رہا ہے ۔

سیدھا راستہ

آپ کہیں گے کہ اچھا ! پھر سیدھا راستہ جن کے ذریعہ اسلام کا نظام عدل نفاذ پذیر ہو سکے کیا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اپنے یہاں حکومت کے مسلک کا اعلان کرنا ہوگا کہ مملکت کا قانون فقہ حنفی پر مبنی ہوگا ۔ جیسے کہ سعودی عرب میں حکومت کا اعلان یہ ہے کہ وہ فقہ حنبلی پر چلتی ہے اور حکومت ایران کا اعلان یہ ہے کہ اس کا مسلک فقہ جعفری ہے ۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ شیعہ حضرات کا مسلک کیا ہوگا کیونکہ وہ پہلے سے فقہ جعفری کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کہیں شیعہ بستی ہے تو وہاں ان کے لئے ان کے شیعہ مجتہد کو ان کے مسلک کے مطابق فیصلہ دینے کا مجاز حکومت قرار دیدے گی ۔

پھر سوال ہوگا کہ اہل حدیث کا کیا ہوگا کیونکہ وہ کسی امام کے پیروکار نہیں ہیں وہ غیر مقلد ہیں ۔ تو اس کا بھی وہی جواب ہے کہ جہاں ان کی آبادی ہوگی وہاں ان کے کسی پسند کردہ عالم کو ان کے فیصلوں کا حکومت اختیار دیدے گی ۔ یہ ایسے اشکالات نہیں ہیں جو حل نہ ہو سکتے ہوں ۔

مجھے ایک عزیز دوست نے بتلایا کہ جنرل نمیری نے اپنے یہاں جب شرعی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا تو انہوں نے فقہ حنفی پر مبنی قوانین نافذ کئے وہاں کے حکام سے انہوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی اکثریت مالکی حضرات پر مشتمل ہے ، مالکی علماء حنفی مسلک پر کیسے فیصلے دیتے ہیں اور اسے کیوں ترجیح دیتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہاں کے علماء مسلک حنفی پر فیصلوں کے عادی ہیں اور اسے اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ

اس میں موجودہ (عیسوی) صدی کے اوائل تک تمام نئے پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ کیونکہ یہ قوانین ۱۳۴۳ھ تک جب تک خلافتِ عثمانیہ ترکیہ رہی ہے جاری رہے ہیں۔

یہ ان کی گفتگو کا خلاصہ ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اسکے بعد سے ابتک تمام نئے پیش آنے والے مسائل پر ہمیشہ ہند و پاک کے علماء فتوے مرتب کرتے رہے ہیں۔ مشینی ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟ اس پر گفتگو ہوئی۔ مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے بیان دیا کہ درست مفتی محمود صاحب مرحوم نے بیان دیا کہ درست نہیں اور دلیل واضح کی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے فتوے سے رجوع کا اعلان فرمادیا۔

حتیٰ کہ غیر سیاسی علماء نے بھی بعض سیاسی امور پر بحث کی اور فتوے دئے پارلیمانی نظام جائز ہے یا ناجائز؟ پارلیمانی نظام میں عورت وزیر اعظم ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحث فرمائی جو ان کے فتاویٰ کی جلد پنجم میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگرچہ عوام واقف نہ ہوں اور قانون داں حضرات نے توجہ نہ دی ہو لیکن علماء کرام جدید دور کے حالات و مسائل پر برابر نظر رکھے ہوئے ہیں اور ان مسائل کو حل کرتے چلے جارہے ہیں۔ اگر آج یہ قانون جاری کیا جائے۔ تو ہمارے پاس آج تک کے مسائل کا حل موجود ہے۔ برصغیر کے علماء کا طریقہ یہ رہا ہے بجائے اس کے کہ ہر ایک مجتہد ہونے کا دعویٰ کرتا اور اختلاف پیدا ہوتا ان حنفی علماء نے یہ طریقہ اپنا لیا کہ پیش آمدہ مسئلہ پر گفتگو کر کے ایک رائے قائم کر لی جائے۔

میرے اسی قابل قدر دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا ایک ریاست میں دو مسلک چل سکتے ہیں۔ مثلاً کوئی جج یا قاضی شافعی مسلک کا پیروکار ہے تو وہ ہٹا دیا جائے گا یا قاضی رہے گا اور اگر قاضی رہے گا تو اپنے مسلک کے مطابق فیصلہ دے گا یا مدعی کے مسلک کے مطابق؟ میں نے کہا کہ قدیم دور سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ ایک حکومت میں کہ قاضی شافعی بھی رہے ہیں مالکی بھی رہے ہیں اور یہ طے ہے کہ وہ مدعی یا مدعیٰ علیہ کے مسلک کے پابند نہ ہوں گے بلکہ اپنے مسلک کی رُو سے فیصلہ دیں گے۔ انہیں مثال کے طور پر میں نے یہ مسئلہ بتلایا کہ اگر کسی حنفی مرد نے عورت کو کنایۃً ایک طلاق دیدی یعنی بجائے لفظ طلاق کے اس نے کوئی ایسا لفظ استعمال کیا

جس کے دونوں معنے ہوسکتے ہوں، لیکن اس کی مراد طلاق ہی تھی - تو ایسی صورت میں ایک طلاق ہو جائے گی وہ آپس میں اگر راضی ہوں تو نکاح دوبارہ کر لیں - لیکن اگر کسی طرح یہ قضیہ ایسے قاضی (جج) کے سامنے پیش کر دیا گیا جو شافعی مسلک کا تھا اور اس نے اپنے مسلک کے مطابق یہ فیصلہ دیدیا کہ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں اور شوہر سے کہا کہ تم رجوع کر لو - شوہر نے رجوع کر لیا - تو حنفی مسلک میں یہ فیصلہ واجب التسلیم ہوگا جدید نکاح کی ضرورت نہیں - اس کے برعکس اگر مدعی، مدعا علیہ دونوں شافعی ہوں تو قاضی حنفی ان کے مسلک کے مطابق فیصلہ نہیں دے گا - وہ حنفی قانون سے فیصلہ دیگا اور قاضی اور (جج) کے مسلک کو بالاتفاق مدعی و مدعا علیہ کے مسلک پر فوقیت حاصل رہے گی - اس اصول کے تحت ہر دور میں ہر مسلک کے جج بلا اختلاف و نزاع کام کرتے آئے ہیں گویا اصل مدار فقہ پر رہا ہے وہ حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی،

پاکستان میں ضرورۃً ان چاروں آئمہ کرام کے ماننے والوں کے علاوہ بھی فقہ جعفریہ ماننے والوں کو اور کسی بھی فقہ کے نہ ماننے والے طبقہ کو ان کے آپس کے پیش آمدہ مسائل حل کرنے کے لئے ان کا قاضی دیا جا سکتا ہے یہ معروف پرسنل لاء تو نہ ہوگا - یہ پرائیویٹ لاء ایک طبقہ یا گروہ کا قانون ہوگا -

بعض حضرات جن میں سادہ لوح علماء بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ نظام شریعت تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے لایا جائے - حالانکہ یہ بات بالکل ہی غلط ہے - اسلامی نظام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جب وہ آئے گا تو ہر شعبۂ زندگی پر اثر انداز ہوگا - اگر آدھا تہائی لایا گیا تو وہ ان قوانین کی موجودگی میں نہیں چلے گا آدھی مشین کسی سائز کی ہو اور آدھی کسی اور سائز کی تو کیا انہیں جوڑ کر چلایا جا سکتا ہے؟ جس طرح یہ ممکن نہیں اسی طرح قانون شرع قانون انگریز بلکہ تعزیرات ہند کا جمع ہونا ممکن نہیں یہ وہ قوانین ہیں جو انگریزوں نے اپنی غلام قوم کے لئے اس غرض سے بنائے تھے کہ ان میں جھگڑے چلتے ہی رہیں بیس بیس سال مقدمہ بازی میں صرف کریں نسلاً بعد نسل عداوتیں چلتی رہیں، انصاف اور دادرسی میں عدل و انصاف ہی کے نام پر زیادہ سے زیادہ تاخیر ہو - ہر ممکن کوشش ہو کہ قانون ہی کے نام پر شکوک پیدا کئے جا سکیں فوراً ہی فیصلہ ہرگز نہ ہونے پائے جبکہ اسلام کے قوانین میں

فوری دادرسی اور انصاف دلانا عدلیہ کی ذمہ داری ہے ۔اسی سے امن ہوتا ہے جرائم ختم ہو جاتے ہیں ۔

اسی ماہ (مارچ) جناب حکیم امیر علی قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے سعودی حکومت میں اسلامی قوانین کی رو سے فوری دادرسی کی ایک تازہ مثال دی کہ رات چار بجے ایک قتل ہوا ، اور صبح دس بجے قاتل کو قصاص میں حکومت نے قتل کر دیا گویا اس مجرم کو جرم کے بعد صرف چھ گھنٹے زندہ رہنا تھا ۔

انگریزی دور کی یادگار تعزیرات پر ہمارے قانون دانوں نے تنقیدی نظر نہیں ڈالی ورنہ اسمیں انہیں خامیاں ہی خامیاں نظر آتیں ۔ہمارے یہاں یہ روایت چل پڑی ہے کہ ہر انگریزی چیز کو تنقید سے بالا سمجھا جاتا ہے کچھ عرصہ قبل تک تھانوں میں اسٹیشنری کے لئے ماہوار الاؤنس اور جیلوں میں قیدیوں کے لئے یومیہ الاؤنس کے طور پر اتنی ہی رقم مخصوص تھی جتنی انگریز نے اپنے دور میں مختص کی تھی ۔

کوئی ملزم تھانہ میں چلا جائے تو اسے مارنا پیٹنا گالیاں دینا برا نہیں سمجھا جاتا ۔کیونکہ انگریز کے قانون کی رو سے اس کی رعایا کا ہر فرد غلام تھا اور بے عزت وہی روش آج تک جاری ہے ۔ لیکن اسلام میں وہ اصولاً اس کے برعکس اس وقت تک باعزت ہے جبتک اس پر جرم ثابت نہ ہو جائے ۔اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد وہ فقط اس جرم کی سزا کا مستحق ہے نہ کہ گالی گلوچ یا کسی بھی بیحرمتی کا تو جب اصولاً اسلام کے قوانین اور موجودہ قوانین میں بعد المشرقین ہو گیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موجودہ انگریزی قوانین کو اسلامی قوانین کے ساتھ جوڑ دیا جائے ۔

اسلامی نظام میں بہت سے مصارف بیت المال کے ذمہ ہوتے ہیں ،معذور افراد کے وظائف حتیٰ کہ بے روزگار بھوکے افراد کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہوتے ہیں ۔ اسلامی نظام میں غریب رشتہ دار کے مصارف امیر رشتہ دار کے ذمہ ڈالدیئے جاتے ہیں ۔ نیز مسلمانوں میں ہمیشہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ رہا ہے ۔اور ان میں ہندوؤں کی بہ نسبت خرچ کرنے کی بہت عادت ہے یہ عادت لاشعوری طور پر موروثی ہے ۔عرصہ سے اس کا صحیح استعمال متروک ہے اس لئے لوگ اپنے ہی اوپر عیش وعشرت میں اضافہ پر خرچ کرنے لگے پھر بھی ملک بھر میں دینی ادارے

بے شمار مساجد اسی انفاق پر گئی گذری حالت میں بھی چل رہے ہیں ۔ دورِ اسلام میں ہر آدمی جو متمول ہوتا تھا ہر وقت دوسروں پر خرچ کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ خود اس کے پاس اپنے لئے کچھ نہ بچتا تھا یہ حال مسلمان نوابوں کا انیسویں صدی تک رہا ہے اسی طرح نوابوں سے نیچے درجہ بدرجہ اپنے سے نیچے والوں پر خرچ کرتے تھے اسی لئے کمیونزم ان علاقوں میں پھیلا ہے جہاں عیسائی یہودی یا بت پرست آباد تھے اس کی زد میں مسلمانوں کے وہ علاقے بھی آگئے جو جغرافیائی محل وقوع کے ذیل میں اس کی زد میں آتے تھے جیسے بخارا وغیرہ لیکن وہ اپنے پڑوس کے غریب ترین مسلمان ملک افغانستان کو متاثر نہیں کر سکا ۔ جس کی وجہ اسلام کی عطا کردہ سخاوت فیاضی مہمان نوازی اور اوپر سے نیچے تک سب میں کسی نہ کسی درجہ میں جذبۂ ایثار کا پایا جانا تھا مزید یہ کہ فسادی اور معاشرتی قانون جو اسلام میں موجود ہیں ان پر بھی عمل ہوتا رہا ہے اس لئے اسلامی ممالک میں کمیونزم کا فلسفہ ہی بیجا ہے کمیونزم میں اقتصادی اور معاشرتی قوانین اور کسی مذہب میں ہیں ہی نہیں ؟

افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس فطری موروثی صلاحیت سے اگرچہ پاکستان میں بالکل کام نہیں لیا گیا حتیٰ کہ اب معاشرہ کی حالت اور انداز فکر ہی بدل گیا ہے اکثریت صرف اپنی ذات کی پجاری بن کر رہ گئی ہے انگریز کے بنا کردہ انکم ٹیکس وغیرہ سے جو فائدہ حکومت کو پہنچتا ہے اور پھر حکومت سے عوام تک آتا ہے اس سے کہیں زیادہ فائدہ اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کی فطری صلاحیت کو اجاگر کر لیا جاتا ۔ اسلام میں انکم ٹیکس نہیں ہے لیکن دفاع کے لئے ٹیکس لگایا جا سکتا ہے ۔ بیت المال کے ذرائع آمدنی اور بہت ہیں ۔ جن پر اسلامی حکومتیں چلتی رہی ہیں ۔

مجھے یقین ہے کہ اگر آج بھی اسلام کا مکمل نظام نافذ العمل ہو جاتے تو ہمارا ملک مثالی ترقی کرے گا ۔ مکمل نظام سے میری مراد یہ ہے کہ انگریزی قانون کے بجائے اسلامی قانون کی کتابوں کے ترجم ان ہی مجسٹریٹوں اور ججوں کو مہیا کر دیئے جائیں کہ فیصلے اس کے مطابق ہوں اسی طرح فوج کے متعلق جو فوج میں رائج قانون ہے اسے بھی اسلامی دور کے قوانین کے مطابق بنا دیا جاتے انگریز کے

ترتیب دادہ قوانین کے بجائے اسلامی قوانین کے مطابق جو تراجم کے ذریعہ فوج کو مہیا کئے جائیں کورٹ مارشل کیا جایا کرے اور اقتصادیات بھی ان ہی قوانین کے تابع ہوں۔

ہمارے ملک میں جو صوبائی عصبیت کی ہواؤں کے بیسٹ بن رہے ہیں۔ محض اسلام کا نام لینا اور عمل نہ کرنا قوانین جاری نہ کرنا اب ایک بے کشش فریب ہوگا جس سے یہ بادِ سموم نہ تھم سکے گی۔ البتہ اسلامی اصول اقتصادیات اور قوانین پر عمل اسے روک سکتا ہے۔ اس کی رو سے کوئی صوبہ احساس محرومی میں مبتلا نہ رہے گا۔ ملاحظہ ہو "اسلامی منشور" بات اب بھی لمبی ہوگئی ہے اور آپ پوچھیں گے کہ کیوں اور کیونکر۔ تو مختصر جواب یہ ہے کہ آپ کے سامنے اسلام کا تیرہ سو سالہ دور ہے۔ اس طویل ترین عرصہ میں مختلف آب و ہوا، مختلف معاشرت اور مختلف زبانوں والے صوبے تو کیا ملک کے ملک یکجا رہے اور مسلمان عیسائیوں سے بڑی سپر پاور رہے ہیں حتیٰ کہ اسلام کے فرض کردہ احکام سے غفلت میں مبتلا ہوکر مستحق سزا ہوئے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ۔ انہوں نے فریضہ جہاد میں "الجہاد مَاضٍ" کے باوجود کوتاہی کی اور اَعِدُّوْا لَہُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ میں حد درجہ تقصیر کی تو کمزور ہوگئے۔ اور کمزوری فطرت کی نظر میں قابل سزا جرم ہے

مجھے ایک ذمہ دار ریٹائرڈ افسر نے اپنے ایک سائنسدان عزیز کا واقعہ بتلایا کہ انہوں نے سہروردی کے سامنے گائیڈیڈ میزائل کا فارمولا پیش کیا مگر وہ غفلت کی نذر ہوگیا اگر ہم غیر ملکی طاقتوں پر ناجائز حد تک اعتماد نہ رکھتے تو ہم بھی ایجادات حربیہ میں آج ان کے ہم پلہ ہو سکتے تھے۔

زوال کا باعث اسلام پر عمل نہ کرنا ہے نہ کہ اسلام میں نے سنا ہے کہ فوج میں آج بھی وہ رستہ جس نے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کیا تھا۔ اسی طرح اپنے اسلاف کی اس مذموم حرکت کو اپنے لئے باعث فخر قرار دیتا ہے مرحوم کے لباس اور تلوار کو مفتوح و مغلوب سے چھینا ہوا سامان جانتا ہے اور اسکی نمائش اس طرح کرتا ہے جیسے وہ آج بھی یونین جیک کے سایہ تلے کھڑا ہے۔ حالانکہ

اسے مرحوم کی اس تلوار کو چومنا چاہیئے تھا اور اسے اپنا نشان خاص بنانا چاہیئے تھا اگر یہ بات صحیح ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ انہیں اپنی تاریخ سے باخبر کرے اور انگریز کی ذہنی غلامی سے نجات دلائے ۔ یہ بات ہماری قوم کے لئے باعث ذلت ہے کہ وہ چالیس سال بعد بھی اپنی تاریخ سے جاہل رہیں ۔

مستشرقین جن کا کام ہی اسلام سے نفرت دلانا ہے طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں ۔ مجھ سے اسلام میں باندیوں کے رواج کے بارے میں بہت لوگوں نے پوچھا لیکن اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ دراصل یہ قانون کفار کی جوابی کارروائی کی صورت میں عمل پذیر ہوتا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔ یعنی اگر وہ ہمارے جنگی قیدیوں کو باندی اور غلام بنائیں تو ہم بھی بنائیں گے اور اگر وہ انہیں صرف قیدی بنا کر رکھیں تو ہمیں حق نہیں کہ ہم ان کے قیدیوں کو غلام بنائیں ۔ ہم بھی انہیں قیدی ہی بنا کر رکھیں گے ۔

پہلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جنگی قیدیوں کا بار بجائے اس کے کہ صرف حکومت برداشت کرے اور وہ بھی قیدمیں وقت گذاریں انہیں پبلک میں تقسیم کر دیا جاتا تھا لوگ ان سے مختلف کام لیتے رہتے تھے گھروں میں رہنے کو جگہ دیتے تھے کھانا لباس سب مالک کے ذمہ ہوتا تھا اس طرح شاہی خزانہ پر ان کا بار نہ پڑتا تھا دنیا کے ہر ملک میں یہی طریقہ تھا ۔ لیکن اسلام نے جب پھیلنا شروع کیا تو یورپ تک کے علاقے زیر نگیں آ گئے اور قیدی اور باندی غلام غیر مسلم ہی بنتے رہے اس لئے اب آ کر یورپ والوں نے یہ شہرت دینی شروع کی ہے کہ اسلام میں باندی اور غلام بنانے کا قاعدہ ساری دنیا سے ہٹ کر ہے ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا بھر کا دستور تھا ۔ یورپ میں بھی قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا ۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جو رومی کہلاتے تھے اسی طرح رومیوں نے انہیں غلام بنایا تھا ۔

اسلامی افواج کو جہاد میں اور خصوصاً عہد شکنی کی صورتوں میں نقصان بھی اٹھانا پڑا ہے اور انہیں فَكَاكُ الْأَسِيْر ۔ قیدیوں کو آزاد کرنے کے جو احکام بتلائے گئے تھے ان پر عمل کرتے ہوئے غلام بنانے کے بجائے قیدی ہی رکھا گیا اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے تبادلے میں دیا گیا ۔

مستشرقین کے اٹھائے ہوئے اور بھی بہت سے اعتراضات ہیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ سب اسی قسم کے ہیں کہ حقائق کو مسخ کر کے صرف ایک نکتہ کو اٹھایا گیا اور اسے بری شکل دیکر ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔

گذشتہ چھ سالہ عرصہ میں کمیونسٹ نظام کے داعی اور سوشلسٹ قسم کے لوگوں سے ملاقاتیں رہیں۔ لیکن میں نے انہیں اسلامی نظام سے ناواقف پایا۔ جداً وہ اسلامی نظام کو پسند کر کے ہی جاتے رہے ہیں ہمارے حکمرانوں کی قسمت ہی کی بات ہے ورنہ وہ اسے عملی جامہ پہنا سکتے ہیں، اور اس میں عقلاً بھی کمیونزم وسوشلزم سے زیادہ خوبیاں ہیں، اور ملک کی بدقسمتی کا یہ منظر بھی آپ کے سامنے ہے کہ پبلک اسلام چاہتی ہے اور عنان اقتدار پر مسلط طبقہ اس کے نفاذ کے خلاف ہے۔ اور مطلب کے لئے اسلام کا نام لیوا۔ نہ معلوم انجام کیا ہو۔

اسی دوران میرے پاس ایک وکیل آئے انہوں نے کہا کہ اسلام میں ٹریفک کے قوانین کہاں ہیں؟

اس کا جواب اگر وہ عقل کا مثبت استعمال کرتے تو شاید خود ہی دے سکتے تھے کہ سلامتی اور امن کے لئے جس قانون کی ضرورت ہو وہ مقننہ پاس کرسکتی ہے۔ ایسے قوانین سب اسلام کے مطابق ہوں گے اور ان پر عمل باعث اجر بھی ہوگا۔

اسلام کا نام لیتے ہی اس کے خلاف باتیں کر ڈالنا جائز نہیں ہے ایسے اشخاص کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے کسی عالم سے ملکر حل کرے اور اپنے ایمان کا تحفظ کرے۔

اسی دوران ایک عالی دماغ لیڈر سے ملاقات ہوئی ان کا خیال یہ تھا کہ اسلام میں حکومت نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام میں مقننہ نہیں ہوتی۔

غرض بہت سی باتیں اپنے ذہن سے ناتمام مطالعہ اور اہل علم سے رجوع نہ کرنے کے باعث پیدا ہوجاتی ہیں۔ یہ قابل علاج ہیں۔ جو مخلص ہیں وہ اصلاح قبول کرتے ہیں۔ مکمل جواب سے ان کی تشفی ہوجاتی ہے۔

میری ان گذارشات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسلامی نظام قانون تبدیل ہوگا نوآئے گا اور یہاں موجودہ قانون کی جگہ فقہ حنفی پر مرتب قانون بذریعۂ تراجم فوراً لایا جائے۔

● اس کے اثراتِ امن وسکون کے علاوہ اقتصادیات ومعاشیات واخلاقیات

نورا مرتب ہوں گے ۔

• ہر شخص موجودہ انگریزی غلامانہ قانون کی رُو سے اپنے آپکو باعزت ثابت کرے تو وہ عزت تسلیم کیا جائے گا ۔ جبکہ اسلام کی نظر میں اسکے قانون کی رو سے باعزت ہے

• یہ قانون صوبوں سے بڑھکر علاقوں تک کو ان کے حقوق دلاتا ہے ۔ اس کا فوری نفاذ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے ۔

• یہ قانون مکمل ترین حالت میں موجود ہے یہ موجودہ انگریزی قانون سے بہت زیادہ مکمل ہے ۔

• یہ قانون انگریزوں کے جاری کردہ قوانین کی موجودگی میں آنا ممکن نہیں ہے ۔ نہ ہی اسے اس سے جوڑا جا سکتا ہے ۔ نہ وہ تھوڑا تھوڑا آ سکتا ہے ۔ وہ جب آئیگا تو مکمل آئے گا ۔ آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں ۔

• اس قانون کی رُو سے حکمرانوں کے ذمہ رعایا کو ہر طرح کی سہولت پہنچانا فرض ہوتا ہے جبکہ انگریز کے متروکہ نظریہ حکومت کی رُو سے جو اس نے برصغیر میں اختیار کئے رکھا حکومت عوام کو لوٹتی ہے اور اس کے پیش نظر صرف اپنا خزانہ بھرے رکھنا ہوتا ہے وہ اسی قسم کے قانون بناتی رہتی ہے ۔

• اسمبلی منتخب رہتی ہے لیکن وہ ایسے قوانین وضع کرے گی جس سے اسلامی اصولوں کو تقویت ہو ۔

• اس قانون کے نفاذ سے مذہبی تنازعات ختم ہو جائیں گے ۔ فرقہ واریت بڑھنے کے خدشات توہمات باطلہ ہیں ۔

واللہ المستعان وھو ولی التوفیق ہ

بقیہ مثیل علیائے علی مرتضےٰ رضؓ

میں کتنے صحیح ہیں اور کتنے موضوع بلکہ باطل نظریات سے مملو ہیں اس سوال کو نظرانداز کر دیجئے ۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو فراست مومنانہ دی ہے وہ سونے اور پیتل کی اس آمیزش میں سے زر خالص نکال لاتے ہیں ۔ البتہ کسی نے یہ بات صحیح کہی ہے کہ ان خطبات نے ہزاروں اور لاکھوں اہل تشیع کو ذاکر، واعظ اور خطیب بنا دیا ہے ۔ (جاری ہے)

رفتارِ کار

متحدہ عرب امارات میں دس دن

جون ۱۹۸۷ء میں تنظیم اسلامی کے قیم برائے بیرونی ممالک جناب قمر سعید قریشی صاحب کی معیت میں "میثاق" کے ادارہ تحریر کے فعال رکن عزیزم حافظ عاکف سعید نے متحدہ عرب امارات کا ایک مختصر دورہ کیا۔ اس کی روداد ہدیہ قارئین ہے۔ واقعاتی ترتیب اور تاثرات جناب قمر سعید قریشی صاحب کے ہیں جنہیں خاکسار نے محض الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔ زیب داستاں کے لئے شاید کچھ تھوڑی بہت حاشیہ آرائی بھی ہو گئی ہو لیکن مبالغے اور افراط و تفریط سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے۔ اقتدار احمد

امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا پہلا دعوتی دورہ کرۂ ارضی کی دوسری جانب ...... یعنی امریکہ ...... کا تھا۔ اس کو سال ہا سال بیت گئے ہیں، اور اس کے بعد وہ شمالی امریکہ، یورپ، شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے ان گنت سفر کر چکے ہیں لیکن شاید ہمارے تازہ قارئین کو ان بیرونی دوروں کی تقریب آغاز کا علم نہ ہو۔ امیر محترم پاکستان میں درس اور دعوت رجوع الی القرآن میں ہمہ وقت مصروف رہے اور انہیں اندازہ نہ ہو سکا کہ ان کے دروس و خطابات کے آڈیو کیسٹ نجانے کن کن رابطوں اور واسطوں کے ذریعے اردو بولنے یا سمجھنے والے لوگوں کے پاس دنیا کے کیسے کیسے دور دراز گوشوں میں پہنچ رہے ہیں۔ ان کے سفر امریکہ سے بہت پہلے ان کی آواز وہاں پہنچی اور قلوب سلیمہ کو مسخر کر چکی تھی۔ اور ان کا پہلا سفر امریکہ ایسے ہی لوگوں کے اصرار، اہتمام اور صرفے پر ہوا تھا جو اس قائل کی بات سامنے بیٹھ کر سننے اور سمجھنے سمجھانے کے مشتاق تھے۔

اس سے بھی دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ پڑوسی ملک بھارت سے جو محض چالیس برس پہلے ہمارا اپنا وطن تھا، امیر محترم کو پہلی دعوت "براستہ امریکہ" موصول ہوئی تھی۔ یعنی عظمت رفتہ کے نشان، حیدر آباد دکن کے جو عبقری اب امریکہ و کینیڈا میں جا بسے ہیں انہوں نے اس "آوازِ دوست" کے کیسٹ اپنے "پسماندہ" اعزہ و اقربا کو بھجوائے تو وہاں بھی اشتیاق پیدا ہوا اور یوں امیر محترم کو باوجود ہزار رکاوٹوں کے اب تک متعدد بار بھارت بھی جانا پڑا ہے۔ یہ تمہید بیان کر کے بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

فضل سے امیر محترم کی قرآنی دعوت بلا مبالغہ دنیا بھر میں اردو بولنے یا سمجھنے والے گھروں میں پہنچ چکی ہے۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ جہاں بیرونی ممالک میں مقیم ہمارے کچھ بھائی "گوا چے لونگ" کی تلاش کے لئے یہاں سے فنکاروں کو بلاتے اور ان کی پذیرائی کرتے ہیں' وہاں بہت سے فکر مند لوگ اپنے قلوب کے صیقل کی غرض سے تجدید عہد۔ توبہ اور تجدید ایمان کے اس نسخے کو بھی استعمال کر رہے ہیں جو امیر تنظیم اسلامی کا کوئی "صدری نسخہ" تو نہیں البتہ عطائیوں نے جس کے پرچۂ ترکیبِ استعمال کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

شمالی امریکہ میں مِن جُملہ دیگر رجالِ دین کے کام کے' امیر محترم کی اب تک کی محنت کا حاصل یہ تو ضرور رہا ہے کہ برِّ کوچک پاک و ہند سے گئے ہوئے لاکھوں مسلمان جو گرے پڑے طبقات سے بھی متعلق نہیں بلکہ اعلیٰ صلاحیتوں اور بہترین تعلیم کے زیور سے آراستہ ہیں ان میں سے بہت سوں کو اپنی اور اپنی اگلی نسلوں کی فلاحِ اُخروی کا بھی خیال ستانے لگا ہے۔ تاہم ان کی مشکلات بہت متنوّع اور پیچیدہ ہیں اور اللہ ہی جانے وہ اس فکر میں کب تک گھلتے رہیں گے۔ عجب نہیں کہ ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے !

کے فلسفے کی طرف انہیں مراجعت کرنی پڑے۔ تاہم ہم سے جو کچھ بن پڑا ان کے لئے کرتے رہیں گے (ان سطور کی تحریر کے وقت امیر محترم امریکہ میں ہی اپنی سی کر رہے ہیں) اور ہماری دعائیں تو بہرحال ان کے ساتھ ہیں۔ وہ ایک طرح سے اُس معاشرے کا حصہ بن چکے ہیں اور اُن میں سے جس کسی نے اپنے ایمان اور روایات کی پونجی سنبھال کر وطن مالوف میں آ کر پناہ لینے کی کوشش کی' اس کی کوشش کا مآل باخبر لوگوں سے پوشیدہ نہیں' ایسے لوگوں کی عظیم اکثریت کو واپس جاتے ہی بنی۔

البتہ مشرق وسطیٰ میں مقیم پاکستانی اور بھارتی مسلمانوں کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ وہ نہ وہاں مستقل قیام کر سکتے ہیں نہ اُس معاشرے میں ان کا انجذاب ممکن ہے۔ انہیں دیر سویر بہرحال واپس آنا ہے اور سیال سونے کے سوتے جوں جوں خشک ہو رہے ہیں یا علاقے کے سیاسی حالات جیسے جیسے مخدوش ہوتے جا رہے ہیں توں توں ان کی واپسی کی رفتار بھی روز افزوں ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کے مخصوص حالات کے باعث چند اور امور ہماری دعوت کی پذیرائی اور اثر انگیزی میں مدد معاون ہو رہے ہیں جن میں کاروں کے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر سے "مسلّح" ہونے اور فاصلوں کو طے کرتے ہوئے ٹیپ سن سکنے کی

سہولت جیسی چھوٹی باتیں بھی شامل ہیں۔ اور اس طرح کے اہم عوامل بھی کہ وطن سے دوری انہیں وہاں کے حالات کے بارے میں جستجو اور عالمی ذرائع ابلاغ پر انحصار کی بدولت زیادہ باخبر اور بہت فکر مند رکھتی ہے۔ یا یہ کہ ان ممالک میں فرقہ واریت اور مذہبی گروہ بندیوں کا عدم وجود' اور مسجدوں کی پیشانیوں کا بغیر کسی "لیبل" کے ہونا ان کے فکر کو بہت سی پابندیوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ یا یہ کہ وہاں شرک کے جملہ جلی ظواہر کی غیر موجودگی پاکستان اور بھارت کے "کافرِ ہندی" کے ذہن کو قرآنی دعوت کے لئے زیادہ کھول دیتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تھی کچھ ایسی ہی بات کہ سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات میں مقیم پڑھے لکھے اور نیم تعلیم یافتہ لیکن دردمند پاکستانی اور بھارتی مسلمانوں میں امیر محترم کی دعوت کو توقع سے بڑھ کر پذیرائی ملی۔ ضرورت تھی کہ وہاں اثرات کو سمیٹنے اور انہیں صحیح رخ پر ڈالنے کی شعوری کوشش کی جائے اور ہمیں بِلا تأمّل یہ اعتراف کرنا ہے کہ اس کوشش میں تنظیم اسلامی کے مرکز سے بڑی ہی کوتاہی ہوئی۔ تا آنکہ لگ بھگ سوا سال پہلے قمر سعید قریشی صاحب کو قیّم برائے بیرون ملک بنا کر یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ ہماری دعوت سے متاثر اور متحرک ہو جانے والے ساتھیوں سے شخصی رابطہ استوار کریں۔ اس لئے کہ انہیں بہرصورت اپنے ملکوں کی طرف واپس ہونا ہے۔ چنانچہ پاکستان پہنچنے والے ساتھی یہاں آکر ہماری صفوں کو مضبوط کریں گے اور اس سے بھی پہلے ان کے ذریعے ہمارے کام کو پاکستان میں موجود ان کے اعزہ واقربا میں تعارف حاصل ہو گا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلے خطوط کا ذریعہ استعمال کیا اور یہاں مرکز میں رفقاء نے ان کا یہ نقشہ بچشم خود دیکھا ہے کہ ع

"ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے"

الحمد للہ کہ ان کی محنت رنگ لائی اور بہت جلد وہ اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنے اور انہیں ایک گلّے کی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس عمل کا سب سے عمدہ نمونہ متحدہ عرب امارات میں دیکھنے کو ملا وہاں کام کا آغاز ہمارے محترم رفیق نسیم الدین صاحب کی ذاتی کوششوں سے ہوا جن تک ہمارا پیغام کیسٹوں کے ذریعے پہنچا تھا۔

وہ پچھلے سال گھیر گھار کر امیر محترم کو دس بارہ روز کے لئے متحدہ عرب امارات لے گئے اور وہاں مقامی رفقاء کے مثالی تعاون سے جنہیں وہ یہی کیسٹ سُنا کر "شیشے میں اتار" چکے تھے۔ دروس قرآن کی مکمل تسلسل اور باقاعدگی سے ایسی بھرپور محفلیں منعقد کیں جن کی حاضری بلا مبالغہ دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی اور جن کی مثال وہاں کی ثقافتی تقاریب بھی پیش کرنے سے قاصر رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

امیر محترم کی اس جان توڑ مشقت کو شرف قبولیت بخشا اور ابوظہبی میں تنظیم کے رفقاء کا ایک جاندار حلقہ بنیان مرصوص بن گیا۔ اس اہم سنگ میل کے بارے میں تفصیلات قارئین "میثاق" بہت پہلے پڑھ چکے ہیں۔ قمر سعید قریشی صاحب نے بعدازاں بھی وہاں کے رفقاء سے رابطے میں کمی نہ آنے دی۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوا جس کی ان کے لئے ہم سب کو دعا کرنی چاہئے۔ ان کی محنت کا ایک مظہر سال رواں کے سالانہ اجتماع منعقدہ لاہور میں بھی دیکھنے کو ملا کہ متعدد رفقاء متحدہ عرب امارات (دوسرے ممالک کا یہاں ذکر نہیں) سے خاص اس میں شمولیت کی غرض سے چھٹی لے کر زر کثیر صرف کر کے آئے تھے۔ آنے والے اپنے پیچھے رہ جانے والوں کا یہ تقاضا بھی ساتھ لائے تھے کہ "یاران تیز گام" ہمیں "محو نالۂ جرسِ کارواں" نہ رہنے دیں۔ کچھ ایسا انتظام کر کے آئیں کہ مرکز سے ہمیں کمک پہنچے اور امیر محترم کا تربیت یافتہ کوئی معلم و مدرس آ کے ہمارے سبق کی دہرائی کرا جائے۔ چنانچہ اولین میسر موقع پر قمر سعید قریشی صاحب عزیزم حافظ عاکف سعید کو ساتھ لے کر عازم ابوظہبی ہوئے۔

ہمارے محترم رفیق قمر سعید قریشی صاحب ہرگز محتاج تعارف نہیں ہیں' کچھ کسر تھی تو سطور بالا میں خاکسار نے غیر ارادی طور پر پوری کر دی ہے۔ وہ اپنی ہمہ جہت صلاحیتوں کے باوصف اللہ کی جناب سے زور بیان کے عطیے سے محروم ہیں۔ ہماری دعوت' طریق کار اور اہداف کا شعور انہیں کماحقہٗ حاصل ہے۔ امیر محترم کے فکر سے ہم آہنگی کے معاملے میں بھی ان کی حیثیت منفرد ہے۔ لیکن گفتگو اور بالخصوص کسی اجتماع سے خطاب کے دوران ان کی روانی ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے کہ الفاظ پھسل پھسل جاتے ہیں۔ رب کریم کی اس میں یقیناً کوئی مصلحت ہو گی۔ اور یہ مصلحت تو معلوم ہو ہی گئی کہ انہیں ایک ساتھی کو ہمراہ لے جانا پڑا۔ ایک اور ایک گیارہ عزیزم عاکف سعید کو قسام ازل جلہ وتعالیٰ نے اپنے والد یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی میراث میں سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ الحمد للہ کہ وہ جدید و قدیم دونوں علوم میں ضرورت کی حد تک دسترس رکھتے ہیں۔ اپنے کان کی ایک مزمن بیماری کی وجہ سے جس کے باعث انہیں خود اپنی آواز کانوں میں گونجتی اور بدحواس کرتی محسوس ہوتی ہے' وہ متفکر تھے کہ گفتگوؤں اور خطابات سے انصاف کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ لیکن اللہ کی توفیق اس کے دین کا کام کرنے والوں کے لئے تیسیر کا انتظام کر ہی دیتی ہے۔ قمر سعید قریشی صاحب نے گہرے تأثر کے ساتھ بتایا کہ عزیزی موصوف نے مفوضہ کام کا حق ادا کر دیا۔ ع

اللہ کرے زور بیاں' اور زیادہ

انہیں اطمینان ہے کہ وہ امارات کے رفقاء کی ضرورت کو بھرپور انداز میں پورا کر کے آئے ہیں۔ اور انشاءاللہ ان کے اس دورے سے مطلوبہ نتائج بر آمد ہو کر رہیں گے۔

اللہ کے دین کے لئے گھر سے نکلا ہوا دو افراد پر مشتمل یہ وفد کراچی ہوتا ہوا دس جون کی سہ پہر ابوظہبی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اترا تو وہاں متعدد رفقاء استقبال کے لئے موجود تھے۔ جن دوستوں کے نام حافظے میں محفوظ رہ سکے ان میں نسیم الدین' سرفراز چیمہ' عمران بٹ' خالد' شاہد' آصف رضوی' محمد حسن انجم' اشرف فاروق اور حافظ حنیف ڈار صاحبان شامل ہیں۔ نماز عصر ایئرپورٹ پر ہی دوستوں کے ساتھ ادا کر کے یہ قافلہ جمعیت کے دفتر پہنچا' مغرب کا وقت ہو گیا تھا للہذا اس نماز کی جماعت دفتر میں ہی ہوئی۔ (خلیج کے ممالک میں جماعت سازی پر قدغن ہے لہٰذا ہمارے ساتھی جو یقیناً کوئی سیاسی کام کرنے کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے' "جمعیت خدّام القرآن" کے نام سے اپنی تنظیم چلا رہے ہیں جس پر انسدادی قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا) نماز سے فراغت کے بعد ٹیلی فون پر راس الخیمہ کے رفیق جناب اقبال ملک صاحب سے بات ہو گئی۔ دوبئی کے رفقاء سے بھی اس وقت صرف ٹیلی فونی رابطہ کافی ہو جاتا لیکن ہر دو طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی۔ چنانچہ وہ حضرات عشاء کے بعد ہی آن ملے۔ عشاء سے پہلے اور بعد بھی حکایات لذیذ نے وقت گزرنے کا احساس نہ ہونے دیا۔ ہم مقصدیت کا رشتہ شاید دوسرے سب رشتوں سے مضبوط اور کام کی دھن غالباً دوسری سب دلچسپیوں سے زیادہ پر لطف ہوتی ہے۔ سونے کے لے لیٹتے لیٹتے رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے (ظاہر ہے کہ ہمارے لئے تو اس روز یہ ڈیڑھ بجے شب کا وقت تھا)۔

۱۱ر جون: گزشتہ شب نیند کی کمی کے باعث کسل باقی تھی للہذا فجر کے بعد کچھ مزید آرام کا موقع نکال لیا گیا۔ پھر احباب تشریف لاتے رہے۔ قمر حسن صاحب سے بھی نشست رہی۔ ویسے دن کی مصروفیات.........جو اکثر صورتوں میں نظم و ضبط کی پابند ملازمتوں پر مشتمل ہیں.....سے وقت نکال کر ساتھیوں کی آمد متوقع نہ تھی دوپہر بارہ بجے لندن سے بھائی افسر صدیقی کا فون آ گیا انہوں نے شاید یہ محسوس کیا ہو کہ ان کے یہ پاکستانی ساتھی ان سے قریب تر آ گئے ہیں للہذا تبادلۂ خیال نسبتاً آسان ہو گا۔ تنظیم اسلامی کی دعوت قرآنی امیر محترم کی زبانی اللہ کی زمین پر بیج کی طرح گر رہی ہے۔ جہاں جہاں دلوں کی مٹی زرخیز ہوئی اور ایمان کی نمی بھی میسر آ گئی وہاں وہاں انشاءاللہ ضرور برگ و بار لائے گی۔ یہ فصل بہار لوٹنے کو ہم میں سے کون موجود ہو گا اس کی خبر اسی ایک علیم و خبیر ذات کو ہے جس کی رضا کے

حصول کے لئے یہ تخم ریزی کی جارہی ہے............ ظہر کی نماز سے پہلے ایک ساتھی مشتاق بیگ کی عیادت کے لئے وقت نکل آیا جو چند روز قبل ہی چھٹی گزار کر پاکستان سے واپس ہوئے تھے ان کی علالت کا سبب بھی یہی دیوانگی تھی کہ اپنے آبائی شہر گجرات میں چھٹیوں کے دوران "فرزانوں" کی طرح کار دنیا سنوارنے اور گلی محلے والوں پر اپنی امارت کا رعب گانٹھنے کی بجائے وہ امیر تنظیم کے دورے کے سلسلے میں پوسٹر لگاتے رہے اور اسی کام میں بجلی کے ایک کھمبے سے چار سو چالیس وولٹ بجلی کا شاک لے بیٹھے۔ وہاں بھی کئی دن صاحب فراش رہے تھے۔

بعد ظہر عزیزم عاکف سعید تو شام کے پروگراموں کے لئے اپنی تیاری میں مشغول ہو گئے اور قمر سعید قریشی صاحب کو موقع مل گیا کہ رفقاء کے ساتھ ملاقاتوں میں کام کا جائزہ لے سکیں اور رفتار کار کو بڑھانے کی تجاویز پر غور کریں۔ مغرب سے عشاء تک عزیزم عاکف سعید نے ساٹھ سامعین کے سامنے سورہ حج کے آخری رکوع کے نصف اول پر گفتگو کی۔ از دل ریزد بر دل خیزد کا نقشہ جما دیا۔ عشاء کے بعد محترم ساتھی نسیم الدین صاحب کے مکان پر اٹھائیس رفقائے تنظیم جمع ہوئے اور تنظیم کی قرار داد تاسیس کا مطالعہ کیا۔ مشکل مقامات اور اہم تر نکات کی تشریح یہ مہمان رفقاء کرتے رہے۔ تاکہ تذکیر کے مقاصد اچھی طرح پورے ہوں۔

۱۲ر جون: ناشتے کے بعد مہمانوں اور میزبانوں میں مختلف علمی، تنظیمی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ ملک اقبال صاحب کو "حاضر ناظر" کے مسئلے پر کچھ الجھن تھی۔ الحمدللہ کہ تبادلہ خیال کے بعد انہیں اعتدال کی راہ پر انشراح صدر حاصل ہو گیا۔ وہ جمعہ کا دن تھا لہٰذا رفیق محترم نسیم الدین صاحب ساڑھے گیارہ بجے قبل دوپہر ہی تیار ہو کر آ گئے۔ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے پاکستان مرکز کی مسجد کو منتخب کیا گیا۔ اس مسجد میں حافظ حنیف ڈار صاحب امیر محترم کے دروس و خطابات کے کیسٹوں کی مدد سے بہت خوب درس اور خطبات جمعہ دے رہے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔ دوپہر کے کھانے کے لئے محمد حسن انجم صاحب کے ہاں مدعو تھے چنانچہ نماز جمعہ کے بعد ان کے ہاں "بنی یاس" پہنچنے کے لئے کوئی چالیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ دعوت طعام میں خلوص کی خوشبو کے ساتھ تکلف کا مصالحہ بھی خاصا تھا۔ واپسی کے لئے بر آمد ہوئے تو معلوم ہوا کہ کار کے ٹائروں کی ہوا قید سے رہا ہو چکی ہے۔ چنانچہ قیام گاہ...... یعنی ابوظبی میں جمعیت کے دفتر...... پہنچتے عصر کا وقت ہو گیا۔

گزشتہ شام کے پروگرام سے اندازہ ہو گیا تھا کہ عزیزم عاکف سعید ایک "لیکچرار" کے سے انداز

میں اپنی بات سامعین کے دل و دماغ میں اتارنے میں بفضلہ بہت کامیاب رہے تھے چنانچہ معمول یہی قرار دیا گیا کہ مغرب سے عشاء تک عمومی نشست رہے اور عشاء کے بعد کا وقت رفقائے تنظیم کے لئے وقف ہو........ آج بعد نماز مغرب انہوں نے سورہ حج کے آخری رکوع کا نصف آخر مکمل کیا۔ حاضری میں دس پانچ کا اضافہ ہی تھا۔ عشاء کے بعد سورہ فتح کی آخری آیات کی روشنی میں ساتھیوں کو اسلامی جماعت کے رفقاء کے اوصاف سے روشناس کرایا گیا۔ آج کی اس خصوصی نشست میں بھی رفقاء کی حاضری پہلے سے پانچ زیادہ تھی۔ اسی میں قمر سعید قریشی صاحب کی طرف سے اذن عام کا اعلان ہوا کہ رفقاء ان محفلوں سے بچ رہنے والے وقت میں بھی جب چاہیں انفرادی طور پر یا گروپ بنا کر مہمانوں کو ملاقات کا شرف بخش سکتے ہیں۔ موضوع گفتگو پر بھی تخصیص کی کوئی پابندی عائد نہ کی گئی۔

۱۳ر جون: ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امیر محترم سے بھی لاہور میں بذریعہ ٹیلی فون بات ہو گئی اور انہیں یہاں کے معمولات سے آگاہ کر دیا گیا۔ حیدر آباد (دکن) کے رہنے والے ہمارے رفیق مہدی علی خان صاحب اسی روز وطن سے واپس ڈیوٹی کے لئے پہنچے تھے 'ان سے بھی ملاقات ہو گئی۔ عصر کے بعد نسیم الدین صاحب سے خصوصی نشست رہی۔ وہ متحدہ عرب امارات میں تنظیم کے امیر ہیں۔ ان سے تنظیمی امور اور رفقاء کی تعلیم و تربیت اور نظم کی لڑی میں پرونے کی تدابیر پر سیر حاصل گفتگو ہوئی اور محسوس کیا گیا کہ جس نوع کے ذاتی رابطے کے لئے مرکز سے یہ دو حضرات تشریف لائے ہیں اس کی افادیت زیادہ سے زیادہ واضح ہوتی جا رہی ہے۔ بعد مغرب عمومی محفل میں "فرائض دینی کا جامع تصور" کے موضوع پر امیر محترم کے درس کا پہلا ویڈیو دیکھنے پر چالیس منٹ صرف کئے گئے اور باقی سارا وقت سوال و جواب میں گزرا۔ عزیزم عاکف سعید کے جوابات سے ان کی فکری پختگی پوری طرح مترشح تھی۔ موسم ساتھ نہ دینے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا لیکن گھٹن اور حبس کے باوجود حاضری بڑھ کر ۸۰/۸۵ تک پہنچ گئی۔ خصوصی مجلس میں رفقاء کو سورۃ مائدہ کی آیات ۵۴ تا ۵۶ کا درس دیا گیا۔ حاضرین کی تعداد میں اگر بیشی نہیں تو کمی بھی نہیں پائی گئی۔

۱۴ر جون: رفقاء سے انفرادی ملاقاتوں میں وقت کا بہترین مصرف بدستور ہوتا رہا۔ دوپہر کے کھانے پر سرفراز چیمہ صاحب نے مدعو کر رکھا تھا........ بعد نماز مغرب عمومی نشست میں "فرائض دینی کا جامع تصور" کے دوسرے حصے کی ویڈیو دیکھی گئی اور حسب سابق سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ رفقاء کی خصوصی نشست میں عزیزم عاکف سعید نے سورہ نور کے آخری رکوع کی روشنی میں نظم کی اہمیت کا سبق

پڑھایا۔ الحمدللہ کہ رفقاء پر یہ حقیقت پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی کہ وہ محض ایک جماعت میں "شامل" نہیں ہوئے بلکہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھ چکے ہیں اور اب انہیں اس کے تقاضوں کا صرف لحاظ نہیں رکھنا ہو گا بلکہ انہیں اپنی زندگی پر طاری کرنا ہے۔

۱۵ر جون: ۔ نو بجے صبح کار کی ایئر کنڈیشنگ کی آغوش عافیت میں یہ دونوں مہمان ایک میزبان ساتھی قمر حسن کے ہمراہ دوبئی کے لئے روانہ ہوئے اور گیارہ بجے دوپہر منزل کو جالیا۔ عزیزم عاکف سعید کو تو قمر حسن صاحب دبئی شہر کی ایک جھلک دکھانے لے گئے اور قمر سعید صاحب نے یوسف صاحب کے ساتھ یہ وقت بہت مفید گفتگو میں گزارا۔ انہیں قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یوسف صاحب کو دوبئی میں دین کے کام کے لئے قبول فرمالیں گے قریباً چھ بجے شام ابوظہبی واپسی ہوئی۔ شام کی عمومی نشست میں ۸۰/۸۵ ناظرین کو فرائض دینی کا جامع تصور کے ضمن میں حقیقت جہاد کے موضوع پر امیر محترم کے لیکچر کا ویڈیو دکھا کر حسب سابق گفتگو کا موقع فراہم کیا گیا۔ اور بعد نماز عشاء رفقاء کو جن کی حاضری معمول کے مطابق بھرپور چل رہی تھی عزیزم عاکف سعید نے دوسرے (تنظیمی) منتخب نصاب سے قرآن مجید کے ان مقامات کا درس دیا جن میں "نجویٰ" کی ہلاکت آفرینی اور دینی اجتماعات میں آداب مجلس کا بیان ہے۔

۱۶ر جون: جوں جوں دن گزرے رفقاء سے ملاقاتوں میں زیادہ سے زیادہ وقت لگنے لگا اور وہاں وقت کا اس سے بہتر مصرف ہو بھی کیا سکتا تھا۔ مغرب کے بعد کے پروگرام میں گزشتہ شام کے موضوع یعنی حقیقت جہاد کا دوسرا اور آخری حصہ بصری کیسٹ کے ذریعے مکمل کیا گیا اور اس کے پس منظر میں مختلف دینی جماعتوں کے کام پر...... بلا تنقیص اور بغیر "تنابز بالالقاب" تجزیاتی گفتگو کی گئی۔ مقصد چونکہ سچا اور انداز بے لاگ تھا لہٰذا اللہ کے فضل سے نہ کوئی کج بحثی ہوئی نہ تلخی نے موضوع کی روح کو بے مزا کیا حالانکہ حاضری پہلے معمول سے بھی زیادہ تھی۔ دوسرے اجتماع میں رفقاء کو سورۃ شعراء کی متعلقہ آیات کی روشنی میں امیر کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا۔ اسلامی جماعت میں امیر کی حیثیت عام جماعتوں کے روایتی صدور سے بہت مختلف ہوتی ہے اور لازم ہے کہ دینی اجتماعیت میں امیر اور مامورین دونوں کو اس کا واضح شعور حاصل ہو۔

۱۷ر جون: شام کرنا صبح کا تو حسب معمول دوستوں کی رفاقت سے ہی ممکن ہوا۔ مغرب کے بعد عمومی نشست میں عزیزم عاکف سعید کا خطاب عام تھا جسے لیکچر کا نام دینا زیادہ موزوں ہے۔ موضوع دین اور مذہب کا فرق اور توسیع واشاعت اسلام میں تلوار کا حصہ تھا۔ رفقاء کے لئے خصوصی نشست میں سورہ

اعراف کی آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶ کی رہنمائی میں نہی عن المنکر کی اہمیت اور سورہ توبہ کی آیت نمبر ۲۴ ۔
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اے نبی ' کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ 'اور تمہارے بیٹے 'اور تمہارے بھائی 'اور تمہاری بیویاں 'اور تمہارے عزیز و اقارب 'اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں 'اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے 'اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں ' تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے 'اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا" ۔

سے اخذ کر کے ایک ترازو نصب کر دی گئی جس میں ایک طرف دنیا و مافیہا کی آٹھ آلائشوں اور دوسری طرف تین وفاداریوں (بشرط استواری) کو ڈال کر ہر شخص کو اپنے دل کے قاضی سے سوال کرنا ہے کہ کون سا پلڑا جھکتا ہے۔ علّامہ اقبال کے شعر ۔

یہ مال و دولت دنیا' یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں' لا الٰہ الا اللہ

سے بھی خوب مدد لی گئی .... ابوظہبی میں ایئر فورس کے پاکستانی عملے نے ان دونوں حضرات کے اعزاز میں ایک عشائیہ ترتیب دیا تھا۔ مدعوئین کی فہرست خاصی طویل تھی لیکن امارات کی ایک ریاست شارقہ میں ہنگامی حالات کا اعلان ہو گیا تھا اور سب افواج کو تیار رہنے کا حکم مل چکا تھا' لہٰذا عشائیہ میں رونق حسب توقع نہ ہو سکی۔

۱۸ ار جون : عمومی نشست میں عزیزم عاکف سعید نے فکر مغرب کے سیل کے آگے بند باندھنے کے لئے کام کی ضرورت پر ایک لیکچر دیا اور ضمناً انجمن خدّام القرآن اور تنظیم اسلامی کے طریقہ کار کی بھی وضاحت کی جو جہاد بالقرآن پر مبنی ہے۔ عشاء کے بعد کے خصوصی اجتماعات کا سلسلہ اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ اس فراغت میں قمر حسن صاحب کے ہاں دعوت طعام زیادہ پُر لطف رہی۔

۱۹؍ جون: نماز جمعہ پاکستان مرکز کی مسجد میں ادا کی گئی۔ دوپہر کا کھانا حافظ حنیف ڈار صاحب کے ہاں تھا جن کے دروس و خطبات جمعہ کا ذکر اس مسجد کے حوالے سے پہلے آچکا ہے۔ کھانے میں محبت کے ساتھ تکلّف کی بھی خاصی آمیزش تھی...... عصر کے بعد امارات میں موجود رفقائے تنظیم اسلامی کا اجتماع عمومی تھا۔ حاضری اور ذوق و شوق کے سابقہ ریکارڈ کے پیش نظر توقع تھی کہ کوئی ساتھی پیچھے رہ جانے والوں میں نہ ہو گا لیکن چونکہ ہنگامی حالات کا اعلان ہو چکا تھا لہٰذا ملازمتوں کی مجبوریوں کے باعث بہت کم رفقاء اس میں پہنچ سکے۔ مغرب تا عشاء مشاورت کی مجلس تھی جس میں رفقاء کی طرف سے بہت مفید تجاویز سامنے آئیں۔ آئندہ لائحہ عمل طے کرتے ہوئے انشاء اللہ ان تجاویز سے استفادہ کیا جائے گا۔ عشاء کے بعد ہمارے رفیق یٰسین صاحب نے اپنے ہاں تمام مہمان و میزبان ساتھیوں کو کھانے پر جمع کیا تھا۔ روایتی تکلّف و اہتمام کے ساتھ کھانے کے علاوہ رفقاء کو بے تکلف گفتگو کا بھی موقع ملا۔

۲۰؍ جون: ان حضرات کے قیام متحدہ عرب امارات کا آخری دن تھا۔ لہٰذا کچھ گھومنے پھرنے کا پروگرام بنالیا گیا۔ صبح "العین" جانے کا ارادہ ہوا۔ نسیم الدین، سرفراز، ریاض، حسن انجم اور حافظ حنیف صاحبان ہمراہ تھے۔ بلکہ "بنی یاس" تک تو اشرف فاروق صاحب بھی ساتھ رہے جہاں سب لوگوں کو آصف رضوی صاحب کے ہاں ناشتہ کرنا تھا۔ وہاں سے اشرف فاروق صاحب تو واپس ہو گئے لیکن ان کی کمی پوری کرنے کے لئے خود آصف رضوی صاحب ساتھ ہو لئے.......... "عین الفائضہ" سمیت متعدد مقامات کی سیر کی جنہیں اس قابل بنانے کے لئے روپیہ بلا مبالغہ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ بقول حضرت اقبال فطرت کے مقاصد کی نگہبانی مرد کہستانی کے علاوہ بندہ صحرائی کے بھی ذمہ ہے لیکن یہاں بندہ صحرائی نے صحراہی کو چمنستان میں تبدیل کر لیا ہے.......... دوپہر کا کھانا اسی علاقے میں ڈاکٹر طارق صاحب کے ہاں کھا کر بھاگ دوڑ کے سوا چار بجے سہ پہر ابوظبی واپسی ہوئی۔ عصر کی نماز "چیک ان" ہونے کے بعد ایئرپورٹ کے لاؤنج میں ہی ادا کی اور پھر یہ ایک اور ایک گیارہ کا قافلہ رات کے نو بجے کراچی ایئرپورٹ پر تھا۔

وفد کے "سینئر ممبر" قمر سعید قریشی صاحب اپنے اس دورے کو اس اعتبار سے بہت مفید پاتے ہیں کہ خط و کتابت کے ذریعے وہ اپنے جن ساتھیوں سے "نصف ملاقات" کرتے رہے تھے، ان سے اس دوبدو میل جول کے بغیر وہ گرم جوشی کا تعلق اور ذاتی تعارف ممکن نہ تھا جو ایک ہی منزل کی طرف رواں ساتھیوں کی مختلف ٹولیوں میں باہم دگر موجود ہونا ضروری ہے...... اللہ تعالیٰ ان کی اور میزبان رفقاء کی محنت کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

مستقل خریدار حضرات توجہ فرمائیں

- خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں۔
- سالانہ زرِ تعاون روانہ کرتے وقت بھی خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔
- زرِ تعاون کسی ذاتی نام کی بجائے ماہنامہ "میثاق" یا مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے نام روانہ کیجیے۔
- انجمن یا تنظیم اسلامی کی امانتیں علیحدہ ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں روانہ کریں۔ ان رقوم کو مکتبہ کی رقوم میں شامل نہ کیا جائے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

(الحج - آیت ۳۷)

اللہ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!

عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ

قربانی کی رُوح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجیے

• سفید کاغذ • رنگین سرورق • ۴۸ صفحات • قیمت صرف چار روپے

قریبی بکسٹال سے خریدیے یا ہم سے منگوائیے!

مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶- K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

اہم اطلاع

امریکہ، کینیڈا، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب

میں ماہنامہ "میثاق" اور ماہنامہ "حکمت قرآن"

کا سالانہ زرِ تعاون جمع کروانے اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل حضرات سے رجوع کیا جا سکتا ہے

امریکہ

Dr. Khurshid A. Malik
810, 73rd Street Downers Grove, ILL.60516
Ph : 312–969–6755, 312–969–6756

کناڈا

Anwar-ul-Haq Qureshi
323 - Rusholme Rd., Apt. 1806
Toronto Ont. M6H 2Z2
Canda.

متحدہ عرب امارات

Mr. S. M. Nasimuddin
P. O. BOX 294 Abu-Dhabi
Ph : 554057, 559181, 325747

سعودی عرب

جدّہ

Mr. M. Asghar Habib
P. O. BOX NO. 167, CC720
Jeddah 21411 Saudi Arabia
Ph : 6721490

ریاض

Mr. Azimuddin Ahmed Khan
P. O. BOX NO. 20249, Riyadh - 11455
Ph : 4544496 - 4462865

الواسع

Mr. Ghulam Mustafa
P. O. Box No. 2464 Al-Wasai Riyadh - 11451
Ph :

کراچی میں میثاق کا سالانہ زرِ تعاون بمکان داؤد منزل
نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت میں بھی جمع کرایا جا سکتا ہے

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا ___ کتنا کتنا حصّہ ہے؟

سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد ___ سندھ کیوں جل رہا ہے؟

پنجابی سندھی کشمکش ___ مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا ___ بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا تازہ سلسلہ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر دردمند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

۱۴۴ صفحات، سفید آفسٹ کاغذ، قیمت صرف ۱۵/ روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۸۳

THE ROARING LION OF AGRO-CHEMICAL INDUSTRY

BUBBER SHER UREA ®

THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS, AND THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS WELL.

AT DAWOOD HERCULES WE DO THINGS WELL ! RIGHT FROM OUR INCEPTION 12 YEARS AGO WE'VE BEEN ENGAGED IN A TREMENDOUS OUTPUT, ENSURING BETTER AND HEALTHIER CROPS AND STRENGTHENING THE NATIONAL ECONOMY. DURING THIS TIME WE'VE :

a. PRODUCED 4,000,000 TONS OF BUBBER SHER UREA.
b. SAVED MORE THAN US $ 750,000,000 IN FOREIGN EXCHANGE FOR PAKISTAN.
c. CONTRIBUTED RS. 2000,000,000 TO THE NATIONAL TREASURY IN THE FORM OF DEVELOPMENT SURCHARGE, DUTIES AND TAXES.
d. SAVED FERTILIZER SUBSIDY WORTH RS. 3000,000,000 IN OUR PRODUCTION WHICH WAS USED BY THE GOVERNMENT TO SUBSIDIZE FERTILIZER PRICES, GIVING AN ENORMOUS BENEFIT TO THE FARMER.

BROADLY SPEAKING WE ARE COMMITTED TO A BETTER QUALITY OF LIFE FOR OUR PEOPLE AND WE ARE DEVOTING OUR VAST TECHNOLOGICAL RESOURCES AND AGRO-CHEMICAL KNOW-HOW TO PROVIDING A VITAL INPUT FOR DEVELOPING HEALTHIER CROPS.

WE FEEL PROUD OF THESE ACHIEVEMENTS, AND SHALL CONTINUE TO PLAY OUR KEYROLE IN THE DEVELOPMENT OF AGRICULTURE AND ECONOMY OF PAKISTAN.

dh CHEMICALS

DAWOOD HERCULES CHEMICALS LIMITED
MAKERS OF BUBBER SHER UREA

DAWOOD CORPORATION LIMITED
DISTRIBUTERS OF BUBBER SHER UREA

promoters

ADARTS
HMD-6/87

ہَوا سے باتیں کرنے والا
رائل فین
خوشنما، خوش وضع، پائیدار اور انتہائی ہوادار
رائل فین گرم موسم میں آسائش
کا سامان پیدا کرتا ہے۔
آپ رائل فین پر فخر کر سکتے ہیں۔
سیلنگ فین : "56
قیمت : /=Rs 675
ROYAL
FANS
رفیق انجنیئرنگ انڈسٹریز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
رفیق آباد، جی ٹی روڈ، گجرات
گجرات فون : 3011 - 3004
کراچی سیلز آفس : 721491
لاہور سیلز آفس : 301286
راولپنڈی سیلز آفس : 74930

خالص اجزا — بہتر شربت
جامِ شیریں
خالص، پُرتاثیر، فرحت بخش
قرشی کے مشروبات
جامِ شیریں، صندل، الائچی، بزوری اورنج ڈرنک
آپ کا نبض شناس
قرشی
شربت
جامِ شیریں

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIF
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

تصانیف ڈاکٹر اسرار احمد

	اعلیٰ	اشاعتِ عام
مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق	6.00	2.00
راہِ نجات (سورۃ العصر کی روشنی میں)	5.00	2.00
قرآنِ حکیم کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ	10.00	
مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب	12.00	
قرآن اور امنِ عالم	2.00	
دعوت الی اللہ	2.00	
رسولِ کامل ﷺ	6.00	
نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت	5.00	3.00
نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	4.00	
معراج النبی ﷺ	3.00	
شہیدِ مظلوم (حضرت عثمان ذوالنورینؓ)	5.00	2.00
سانحۂ کربلا (شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر)	4 00	2.00
اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	2.00	
اسلام میں عورت کا مقام	8.00	5.00
عظمتِ صوم	2.00	
عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی	4.00	
اسلام اور پاکستان	5.00	
استحکامِ پاکستان	30.00 20.00	
علامہ اقبال اور ہم	3.00	
شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک	4.00	
اسلام کا معاشی نظام	6.00	
دعوتِ رجوع الی القرآن		

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

اور سب مل کر اللہ کی رسّی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو

Seiko
BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S
SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مراکز

سندھ بیرنگ ایجنسی، ۶۵ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز کراچی۔ فون ۷۲۳۳۵۸ / ۷۲۱۱۷۲

خالد ٹریڈرز۔ بالمقابل کے۔ایم۔سی ورکشاپ نشتر روڈ کراچی

فون: ۷۳۵۸۸۳ / ۷۳۲۹۵۲ / ۷۳۰۵۹۵

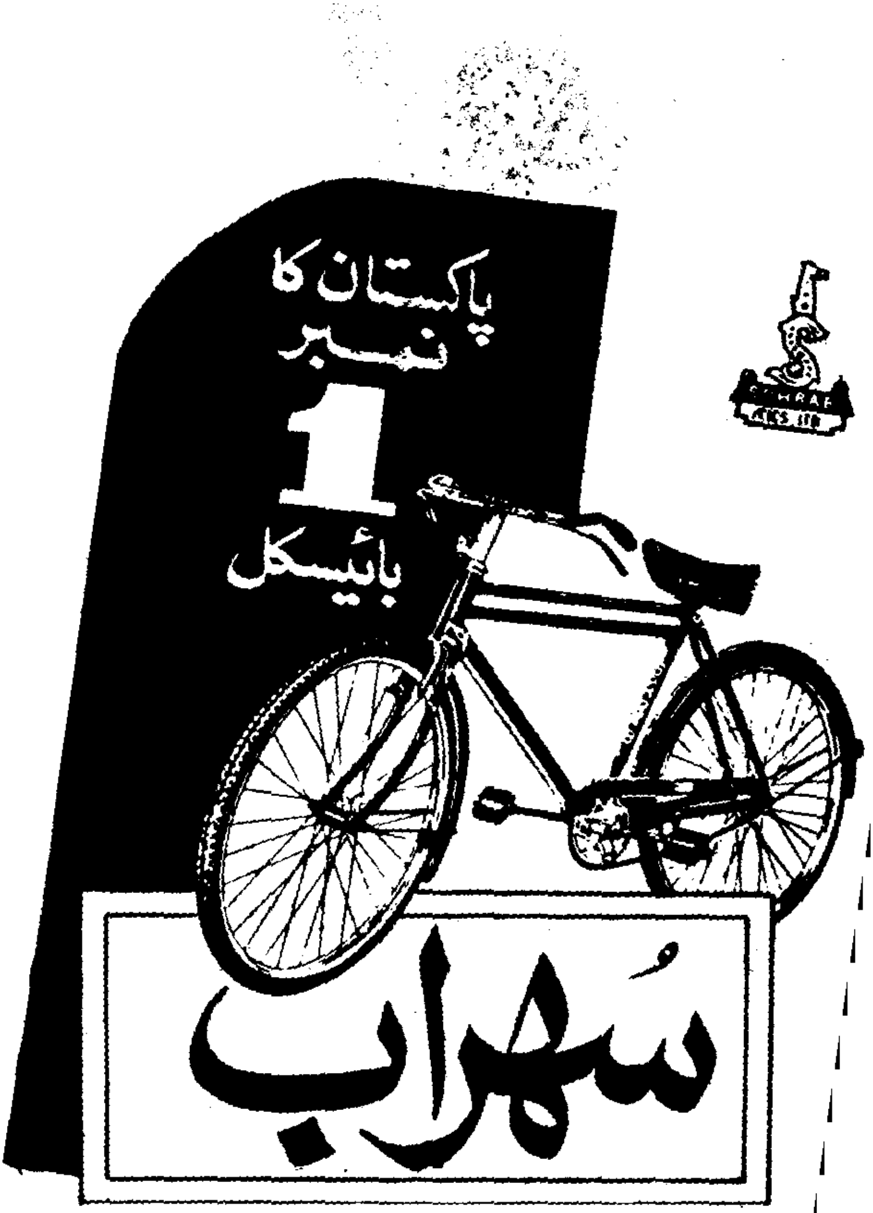

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب

MONTHLY
MEESAÖ
LAHORE

Regd. L. No. 7360
Vol. 36 No. 8
AUGUST 1987